اردو مرکز لائبریری

اردو ادب کے جاں فروز مرثیوں کا علمی انتخاب

پیامِ زندگی

جلد سیزدہم

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی
(اقبال)

مرتبہ

مولینا تاجور نجیب آبادی پروفیسر دیال سنگھ کالج ایڈیٹر انجا

بہ اعانت

حضرات اراکین اردو مرکز لاہور

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز لاہور

فہرست مضامین

پیامِ زندگی

(جلد سیزدہم)

(شہادتِ امام حسینؑ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میر انیسؔ لکھنوی

واقعہ نگاری

جب فوج خدا قتل ہوئی راہ خدا میں	کوئی نہ رہا شہ کے عزیز و رفقا میں
غل آمد سرور کا ہوا اہل جفا میں	بڑھنے لگیں لشکر کی صفیں دشت وغا میں
تھا حکم کہ کھولے نہ کوئی تیغ کمر سے
لڑنا ہے ابھی فاتح خیبر کے پسر سے

شاعر جناب امام حسینؑ علیہ السلام کے حالات اسطرح بیان کرتا ہے۔

مرگ فرزند

فرزند کو جو وقت سے برچھی لگی کاری	اسوقت سے اک ضعف ہے شبیر پہ طاری
جب ڈھونڈتے تھے لاش کو باگریہ وزاری	کہتے ہیں کہ ریتی پہ گرے تھے کئی بار

احوال یہ تھا ضعف سے فرزند علی کا
لاشہ نہ اٹھایا گیا ہمشکل نبیؐ کا

جب تیر لگا تھا علی اصغر کے گلے پر — جوں بید کھڑے کانپتے تھے ضعف سے سرور
کمزور تھا ایسا پسر فاتح خیبر — ہاتھوں سے گری پڑتی تھی لاش علی اصغر
اسوقت عجب حال سے تھرّاتے تھے شبیر
ہر گام پہ تیورا کے ٹھہر جاتے تھے شبیر

جناب امام حسینؑ حرم سے رخصت ہو کر میدان کارزار میں پہنچے شاعر جناب امام کی شان اسطرح دکھاتا ہے۔

چہرے سے ہویدا تھا جمال اسد اللہ — رحمت تھی نبی کی تو جلال اسد اللہ
بیمثل تھے عالم میں مثال اسد اللہ — موجود تھے سب وصف کمال اسد اللہ
عزت بھی سخاوت بھی مروت بھی ادب بھی
صولت بھی شجاعت بھی ترحم بھی غضب بھی

واقعہ نگاری

وہ وقت زوال اور وہ میدان تپ و تاب — سایا نہ ٹھہرنے کو نہ پینے کو کہیں آب
منہ خشک حرارت سے جگر سینے میں بیتاب — نے یار نہ ہمدرد نہ غمخوار نہ احباب
حسرت سے جدھر دیکھا ستمگر نظر آئے
نیزے کہیں چمکے کہیں خنجر نظر آئے

سینے میں تڑپتا ہے جو دل صورت بسمل — فرماتے ہیں یہ صبر کا ہنگام ہے اے دل
دشواری سے کٹتی ہے ذرا عشق کی منزل — گھبرا نہ کہ آساں ہوئی جاتی ہے یہ مشکل

گو یار مددگار ہر اک تجھ سے جُدا ہے
لیکن نہ ہراساں ہو کہ بیکس کا خُدا ہے

بس اتنے میں حضرت پہ ہوا نرغۂ اشرار   تیروں کی تن پاک پہ پڑنے لگی بوچھار
گھوڑے کو بڑھا کر یہ پکارے شہ ابرار   بتلاؤ کہ میں کون ہوں اے قوم جفا کار
تم خوں میں جسے بھرتے ہو جامہ ہے یہ کسکا
تلوار یہ کس کی ہے عمامہ ہے یہ کسکا

فوج شام نے آپ کی تقریر کا جواب زبانِ تیغ سے دیا۔ تو آپ نے بھی شمشیر آبدار میان سے نکال لی۔ اور مصروف جنگ ہوئے۔ حضرت کے گھوڑے کی تعریف میں شاعر اسطرح کہتا ہے کہ

گھوڑے کی تعریف

بجلی کی طرح کوندتا تھا فوج میں رہوار   قطرات عرق جسم پہ تھے اختر سیار
پے کرنے کے کیا کیا تگ و دو کرتے تھے اشرار   اس تک نہ پہنچ سکتا تھا پر وہم خطا کار
مانند تصور کبھی یاں تھا کبھی واں تھا
آنکھوں میں تو پھرتا تھا پہ نظروں سے نہاں تھا

تیغ حسینی نے صفیں کی صفیں پامال کر دیں۔ لیکن پوری فوج کا مقابلہ ایک تشنہ لب کیونکر کر سکتا ہے۔ آپ کو دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور پے در پے وار کرنے لگے یہانتک کہ آپ سراپا زخموں میں چور ہو جاتے ہیں۔ اس وقت آپ کا یہ عالم تھا کہ

طاری تھا جو غش دوش محمدؐ کے مکیں پر
جھک جھک کے سنبھل بیٹھتے تھے خانۂ زیں پر

شاعر اس موقعہ پر اپنے خاص انداز میں جناب امام کی تعریفِ صبر و شکر کرتا ہوا اسطرح لکھتا ہے۔

کیا صبر ہے اس طرح کا صابر نہیں دیکھا کیا شکر ہے اس طرح کا شاکر نہیں دیکھا
ثابت قدم ایسا دمِ آخر نہیں دیکھا آوارہ وطن ایسا مسافر نہیں دیکھا
کیا ظلم نہیں کونسی بیداد نہیں ہے
جز یادِ خدا اور کوئی یاد نہیں ہے

آخر کار جناب سیّد شہدا فرش خاک پر گر پڑے۔ اور شہید کر دیئے گئے۔

—— ۱۱ ——

صبح شہادت

ہشتم کو مصیبت تھی قیامت تھی نہم کو اک حشر تھا خیمے میں یہ حالت تھی نہم کو
بچّوں پہ عجب پیاس کی شدّت تھی نہم کو اللہ نہ دکھائے جو مصیبت تھی نہم کو
وہ دن بھی کٹا جب تو مصیبت کی شب آئی
کھولے ہوئے بالوں کو شہادت کی شب آئی

ظاہر ہوئی گردوں پہ سپیدی جو سحر آئی خود شاہ نے مشرق کی طرف اٹھکے نظر کی
فضہ نے ادھر دوڑ کے خیمہ میں خبر کی لے بی بی رخصت ہی شاہ حسن و بشر کی

تیار جماعت ہے نماز آپ پڑھینگے

اب فرض ادا کرکے لڑائی پہ چڑھینگے

خوش الحانی

ناگاہ اذاں دینے لگے اکبر ذی شاں   چپ ہوگئے سب دشت کے مرغان خوش الحاں

زینبؑ نے صدا دی کہ اس آواز کی قرباں   کیا صوت حسن ہے کہ زمانہ ہے ثنا خواں

آواز حزیں سنکے دلوں کو نہ کل آئی

بلبل بھی گلستاں سے پھڑک کر نکل آئی

صبح گلشن

آنا وہ دم صبح کا وہ رات کا جانا   وہ وقت عبادت وہ تضرع کا زمانا

وہ جھومنا اشجار کا وہ وقت سہانا   پھولوں کی وہ بو سرد ہواؤں کا وہ آنا

بے ذکر نہ غنچے نہ گل و خار رہے تھے

مرغان چمن وجد میں چہکار رہے تھے

صلوٰۃ سحری سے فارغ ہو کر سید الشہدا جناب امام خیمۂ عصمت میں تشریف لے گئے، تلقین صبر فرمانے کے بعد باہر تشریف فرما ہوئے اور آمادۂ شہادت ہو کر میدان کارزار میں پہنچے۔ تمام عزیز و رفیق یہانتک کہ آپ کے نوجوان فرزند حضرت علی اکبر بھی شہید ہو گئے۔

غم فرزند

پیری میں ہوا داغ جو فرزند جواں کا   کم ہو گیا خوں جسم شہ تشنہ دہاں کا

ہر بات میں لکنت تھی یہ عالم تھا زباں کا ماتم تھا برادر کا الم راحت جاں کا
غل اٹھتے تھے فوجوں سے مبارز طلبی کے
دو لاکھ کا نرغہ تھا نواسے پہ نبی کے

جناب امام عزیزوں اور رفیقوں کی لاشوں کی طرف دیکھکر بحسرت ارشاد فرماتے ہیں۔

تکیہ نہ برادر پہ مجھے تھا نہ پسر پر
کچھ غم نہیں اللہ تو موجود ہے سر پر

محاکات

یہ کہتے تھے حضرت کہ جلال آگیا ناگاہ خورشید ہوا غیظ سے روئے شہ ذیجاہ
گھوڑے پہ سنبھل کے کہا العظمت للہ تھرا گیا سب دشت ستم ڈر گئی گمراہ
سیدھے جو ہوئے تنگ زرہ ہو گئی بر میں
ہاتھوں میں وہ رعشہ تھا نہ وہ خم تھا کمر میں

انداز بیان

روئی ہوئی آنکھوں میں جو سرخی تھی نمودار ثابت تھا کہ آیا غضب حضرت قہار
ابرو جو ہلے چلنے لگی فوج پہ تلوار پلکیں جو اٹھیں تیر کلیجے کے ہوئے پار
رہوار ہرن شیر ژیاں ہو گئے شبیر
غل تھا کہ نئے سر سے جواں ہو گئے شبیر

واقعہ نگاری

سمجھایا بہت پر نہ عدو راہ پر آئے میداں سے کئی تیر ستم شاہ پر آئے

یوں تیغ بکف لشکر بدخواہ پر آئے جسطرح اسد مجمع روباہ پر آئے
دل ہل گئے جی خوف سے چھوٹا نظر آیا
دیکھا تو ہر اک مورچہ ٹوٹا نظر آیا

جناب امام میان سے تلوار نکال کر بلند کرتے ہیں۔ شاعر نے اس موقعہ پر کیا خوب کہا ہے۔

تولا جو اسے سیر ہوئے زیست سے دشمن
اونچا جو کیا ہاتھ تو صحرا ہوا روشن

جناب امام مصروف جنگ ہیں۔ تیغ خارا شگاف کے جوہر ملاحظہ ہوں۔

تلوار کی صفائی

لوہے کی سپر کاٹ کے دستانے میں پہنچی دو کر کے سپر خود کے پیمانے میں پہنچی
مگر سر و گردن سے چلی شانے میں پہنچی شانے سے بڑھی روح کے کاشانے میں پہنچی
سر کش کا لہو خاک پہ برسا دیا اسنے
تب نکلی کہ جب خانۂ تن ڈھا دیا اسنے

مشہور تھی وہ رشک پری قاف سے تا قاف جوہر تھا جواہر کا کہ تھا زیور شفاف
سر سے گئی تا صدر شکم سے گئی تا ناف پھر دیکھو تو لب خشک زباں پاک دہن صاف
ٹپکا جو لہو منہ سے شرارے نکل آئے
دریا سے کہ ابر سے تارے نکل آئے

نقشۂ جنگ

رہ رہ کے وہ ہر غول پہ حضرت کا جھپٹنا جم جم کے فرس کا وہ چمکنا وہ سمٹنا
وہ برہمی فوج وہ ہر صف کا الٹنا وہ تیغ دو سر کا کبھی بڑھنا کبھی گھٹنا

دم اپنا بڑھانے کو لہو چاٹ رہی تھی
کس گھات سے اعدا کے گلے کاٹ رہی تھی

دیکھا شہ والا نے ہزاروں کو جو بیدم جوش آ گیا رحمت کا ہوا غیظ و غضب کم
دل دکھنے لگا دیدۂ حق بیں ہوئے پرنم بس میان میں صابر نے رکھی تیغ شرر دم

صدمہ ہوا امت کیلئے جان حزیں پر
روتے ہوئے گھوڑے سے اتر آئے زمیں پر

خوف زدہ فوج سمٹ آئی اور جناب امام کو نرغہ میں لے لیا۔ آپ مجروح ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اور مصروف یاد خدا ہوئے

غم انگیز

کھائے تھے جو کچھ زخم بدن پر دم پیکار ہر جا انہیں زخموں پہ لگے زخم پھر اکبار
فرماتے تھے جب پڑتی تھی تلوار پہ تلوار بدلہ ہے یہی رحم کا اے قوم ستمگار

تلواروں سے دم لینے کی فرصت نہیں دیتے
سجدہ بھی مجھے کرنے کی مہلت نہیں دیتے

غل میں کوئی سنتا نہ تھا مظلوم کی نہ تقریر منہ تکتے تھے حضرتؓ کہ لگا حلق پہ اک تیر

ﻟﮧ حضرت امام حسینؓ مراد ہیں ؛

کھینچا نہ تھا پیکاں کہ پڑی فرق پہ شمشیر غش کھا کے گرے خاک پہ جب حضرت شبیر
خونی نے تبر پہلوئے صد چاک پہ مارا
اک شامی نے تیغا کمر پاک پہ مارا

اسکے بعد شمر نے حضرت امام کو شہید کر دیا ۔

جب رئیس حسین اصغر بے شیر کو لائے لختِ جگر بانوے دلگیر کو لائے
جلّادوں میں اس صاحبِ توقیر کو لائے ہاتھوں پہ دھرے چاند سی تصویر کو لائے
غل پڑ گیا دیکھو شہ والا کے پسر کو
خورشید نے ہاتھوں پہ اٹھایا ہی قمر کو

اسکے بعد حضرت علی اصغر کے معصومانہ حسن کی تعریف میں زور شاعری صرف کیا ہے ۔ گرمی کلام مبالغہ سے خالی نہیں ۔ بند ملاحظہ ہوں ۔

معصوم کے رخ پر ہی عجب حسن عجب نور آئینۂ افلاک تجلّی سے ہے معمور
آئینہ ہے اس رخ کے لیے خال رخ حور موسےٰ کے کفِ دست پہ ہی شمع سر طور
کیا صاحبِ اعجاز امام دو جہاں ہے
بیضا یہ سر دست عیاں ہے

حُسن رخ اصغر سے خجل نیّرِ اکبر خورشید تو ذرّہ ہی ستارہ ہے انور
گرمی سے جو قطرے ہیں پسینے کے جبیں پر ہیں صانع قدرت نے جڑے چاند پہ اختر

بالو نکے تلے لوح جبیں نور فشاں ہے
ہے نصف قمر ابر میں اور نصف عیاں ہے

ابرو کو دیا ہے ید قدرت نے عجب خم بس دو مہ نو صاف نظر آتے ہیں باہم
ہے نرگسی آنکھوں کا نقاہت سے یہ عالم دشوار ہے پلکونکا جھپکنا جنہیں ہر دم
ہے خواب بھی اس چشم گہر بار کو بھاری
جسطرح سے شب ہوتی ہے بیمار کو بھاری

آئینۂ مہ میں یہ کہاں جلوہ نمائی روشن ہوا دل جسکو وہ صورت نظر آئی
دو دن سے جو اک بوند نہیں پانی کی پائی زردی سی ہوان پھول سے رخساروں پہ چھائی
شہ روکتے ہیں دھوپ کو دامانِ عبا سے
ٹھنڈا ہوا جاتا ہے بدن گرم ہوا سے

واقعہ نگاری

نازک ہے لبِ لعل جو برگِ گُل تر سے وہ پانی کو محتاج رہے دودھ کو تر سے
گہوارے میں دم توڑتے تھے چار پہر سے لے آئے ہیں گھبرا کے شہِ دیں اسی گھر سے
بچے کو اماں ظلم کے بانی نہیں دیتے
مُنہ کھولے ہے معصوم وہ پانی نہیں دیتے

وہ ننھے سے کرتے کے تلے چاند سا سینہ جسمیں نہ کدورت نہ حسد اور نہ کینہ
خوشبو میں بہ از عطر گلاب اسکا پسینہ سینہ نہیں اک دُرِ نجف کا ہے نگینہ
اب خون میں وہ ڈوب کے یاقوت بنے گا
جس جھولے میں وہ پلتے ہیں تابوت بنیگا

اعدا کو دکھاتے ہیں منہ اسکا شہ خوشخو میداں میں تجلّی ہے مہ و مہر کی ہر سو
جاری ہیں ہر اک صاحب اولاد کے آنسو کھولی ہی دہن مثل صدف اصغر مہ رو

پیاسا ہی پسر اشکوں سے منہ دھوتے ہیں شبیر
بچّے کیطرف تکتی ہیں اور روتے ہیں شبیر

فرماتے ہیں اے غنچہ دہن ای مری پیاسے بتلاؤ مجھے کیا میں کہوں اہل جفا سے
گویا نہیں اسوقت زباں فرط حیا سے کچھ مینے جو مانگا ہے تو مانگا ہی خدا سے

ادنیٰ سے سخی مانگے یہ دستور نہیں ہی
اب صبر کرو نہر کہیں دُور نہیں ہی

لیکن تری مادر پہ تری پیاس ہی دشوار دروازے پہ بیچین کھڑی ہی وہ دل افگار
مینے بھی کیا ہی طلب آب کا اقرار کرتا ہوں لعینوں سی تری پیاس کو اظہار

پر وہ نہیں دینے کے مرے دلکو یقیں ہے
اس نہر کا پانی تری قسمت میں نہیں ہے

یہ کہکے پکارا اسد اللہ کا جانی کچھ کہتا ہوں یارو علی اصغر کی زبانی
اب اٹھ نہیں سکتی تعب تشنہ دہانی کہتے ہیں کہ اک بوند پلا دو ہمیں پانی

سب خلق پہ احسان حسینؑ ابن علی ہیں
تم لوگ مسلماں ہو تو ہم آل نبی ہیں

ان پھولوں سی رخساروں کے کملانیکو دیکھو گہوارے سی میداں میں چلے آنیکو دیکھو
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے مرجھانیکو دیکھو غش آنیکو اور سانس الٹ جانیکو دیکھو

ناحق ہے عداوت تمہیں ناز ونکے پلے سے
پھر دوگے تو پانی بھی نہ اتریگا گلے سے

سنکر یہ سخن وہ ستم ایجاد پکارے کیا خوب تمہیں آنے دیں دریا کے کنارے
اطفال جئیں یا کہ مریں پیاس کے مارے تم لوگوں کا حصہ نہیں پانی ہیں ہمارے
ہم سمجھے کہ حیلے سے طلب کرتے ہو پانی
بچے کے وسیلے سے طلب کرتے ہو پانی

شبیر نے اس چاند کو ہاتھوں پہ اٹھایا چلّے سے کماندار نے وان تیر ملا یا
خم ہو کے اسے مثل کماں شہ نے بچایا مانندِ اجل ناوکِ ظلم وستم آیا
شبیر چھپاتے رہے نازونکے پلے کو
بازو پہ لگا توڑ کے ننھے سے گلے کو

مرقع غم

حلقہ تو وہ دو ٹانگ گا اور تیر سہ پہلو دل سہم گیا چونک پڑے اصغر مہ رو
گردن سے لہو بہنے لگا آنکھوں سے آنسو منہ کھل گیا تھرانے لگے شاہ کے بازو
گلرنگ ہوا طوق گلو خون میں بھر کر
ریتی پہ کڑے گر پڑے ہاتھوں سے اتر کر

فوارہ چھٹا حلق سے بچے کے لہو کا سب خون میں تر ہو گیا ننھا سا شلوکا
دم آگے رکا حلق میں اس تشنہ گلو کا خوں منہ سے اگلنے لگا وہ دودھ کا بھوکا
ننھی سی وہ ٹوپی بھی گری جاتی تھی سر سے
جب آتی تھی ہچکی تو لپٹتا تھا پدر سے

حضرت علی اصغر تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے ہیں۔ اس وقت۔

ہدیۂ درویش

شہ لاش کو ہاتھوں پہ اٹھا کر یہ پکارے اے بار خدا خلق سے اصغر بھی سدھارے
صد شکر کہ تو نے مرے سب کام سنوارے کچھ اور پئے نذر نہ تھا پاس ہمارے
یہ ہے پسر صاحب معراج کا ہدیہ
مقبول ہو ابن بندۂ محتاج کا ہدیہ
یہ کہتے ہی پھر گردن تسلیم جھکائی تلوار سے کھودی لحد اور لاش اُٹھائی
جب خاک میں وہ چاند سی تصویر چھپائی تعویذ پہ منہ رکھ دیا رقت بہت آئی
چلّائے کہ ڈر ڈر کے نہ رونا علی اصغر
ہم آتے ہیں آرام سے سونا علی اصغر

تفویض امانت

فرمایا کہ اے خاک امانت سے خبردار بانوئے دل افگار کی دولت سے خبردار
لختِ جگرِ شاہ ولایت سے خبردار اس بندۂ بیکس کی بضاعت سے خبردار
یہ گوہر نایاب ہے پاکیزہ صدف کا
سونپا ہے تجھے میں نے نگیں دُرِ نجف کا
فرما کے یہ گھوڑے پہ چڑھے سبط پیمبر رو کر کہا اب خیمے میں جانا نہیں بہتر
کیا جا کے سناؤں خبرِ رحلتِ اصغر پڑھتے رجز آئے صفِ اعدا کے برابر

سرخ آنکھیں تھیں اور ہاتھ کو قبضے پہ دھرے تھے
کپڑے تن پرنور کے سب خوں سے بھرے تھے

افروختہ تھا صورتِ گل چہرۂ روشن   چار آئینہ میں عکس سے پھولا ہوا گلشن
مغفر تو سر پاک پہ اور جسم میں جوشن   گرد انے ہوئے جامۂ پر نور کا دامن
کرتا تن اطہر میں رسولِ عربی کا
زیبِ کمرِ پاک کمر بندِ علی کا

لاکھوں سے لڑائی تھی پہ میلے نہ تھے تیور   جب شیر سے بڑھتے تھے تو ہٹتے تھے ستمگر
بجلی سا تہ ران فرسِ خاصِ پیمبرؐ   حمزہ کی سپر تیغ علی نیزۂ جعفر
غل تھا شہ ابرار کے کاندھے پہ کماں ہے
یا شمس فلک قوس کے پہلو سے عیاں ہے

دن ڈھلتا تھا اور ہوتی تھی اعدا کی چڑھائی   تھی شام کے لشکر کی گھٹا چاند پہ چھائی
ہمراہ کوئی دوست نہ فرزند نہ بھائی   تنہائی ادھر اور ادھر ساری خدائی
سر کاٹ لیں تھے واں کے سوار اس تگ و دو میں
یاں گھوڑے پہ تھے آپ شہادت تھی جلو میں

ناگاہ ادھر چوب لگی طبل و غا پر   اور پڑنے لگے تیر امام دوسرا پر
طاری ہوا غصہ پسر شیر خدا پر   تلوار علم کر کے چلے اہل جفا پر
فرمایا کہ ہاں پہلے کدھر کھیت پڑے گا
لڑنے کو سب آتے ہیں کہ ایک ایک لڑیگا

فرما کے یہ چمکائی جو تیغ شہ مرداں   اشرار پکارے کہ گری برق درخشاں

رہوار کو رانوں میں دبا کر جو کہا ہاں　　ہاں منہ سے نہ نکلی تھی کہ یاں سے وہ گیا واں
پیوست جو تھے تیر وہ باہر نکل آئے
معلوم ہوا پہلوؤں سے پَر نکل آئے
اسکے لئے اک گام تھا سو کوس کا دھاوا　　تیغوں کو چبا تا تھا یہ جوہر تھا علاوہ
کس گھات سے روکیں فرسِ تیز قدم کو
سایہ بھی تو اسکا نظر آتا نہیں ہم کو
غصّے میں وہ تن تن کے دہانے کو چبا تا　　اور جوش شجاعت میں وہ کف منہ سے گراتا
ہر سمت کبھی جھوم کے آتا کبھی جاتا　　تلوار کی زد سے کبھی آقا کو بچاتا
ٹاپوں سے دہلتی تھی زمیں حشر بپا تھا
اس صف میں جو بجلی تھا تو اس صف میں ہوا تھا
لڑتے تھے حسینؑ ابن علی فوج ستم سے　　ہر غول میں پھرتا تھا وہ کس کس چم و خم سے
سر گر رہے تھے ضربت شمشیر دو دم سے　　پامال بدن ہوتے تھے گھوڑے کے قدم سے
رہوار نے واں خون کا چھڑکاؤ کیا تھا
تلوار نے سب فوج کا ستھراؤ کیا تھا
بجلی سی ہر اک صف میں چمکتی ہوئی آئی　　شعلہ کی طرح گاہ لپکتی ہوئی آئی
آئی وہ جدھر خوں میں ٹپکتی ہوئی آئی　　واں چمکی تو یاں آگ بھڑکتی ہوئی آئی
اسواروں کو اس برق کی واروں نے جلایا
شعلوں سے جو بھاگے تو شراروں نے جلایا
وار اسکا کوئی روک نہ سکتا تھا سپر پر　　چمکی جو چھری چل گئی دشمن کے جگر پر

گہ فرق پہ گہ سینے پہ اور گاہ کمر پر پس قطع یہ جامہ تھا اسی تیغ دو سر پر
جسپر گئی بے دو کئے پھرتے نہیں دیکھا
بجلی کو بھی اسطرح سے گرتے نہیں دیکھا

ہر ضرب میں جو رنگ تھے سو سو ستم ایجاد کٹتے تھے مع کاسہ سپر مغفر فولاد
چار آئینہ میں بھی نہ رہے امن سے جلّاد تھی سیل فنا خانۂ تن کر دئے برباد
ضرب اسکی کسی سی نہ رُکی فوج کے دلمیں
اتری جو زرہ کٹ کے پھنسے دام اجل میں

نیزوں سے قلم ہو کے جو گرتی تھیں سنانیں رہجاتے تھے سب دا کے دانتوں میں زبانیں
ثابت نہ رہی تیر نہ ترکش نہ کمانیں جانیں لگیں دوزخ کو جفا کاروں کی جانیں
ناوک جو ستمگاروں نے ترکش میں بھرے تھے
تیروں سی وہ خالی تھی مگر خوں سے بھرے تھے

اتنے میں ہنگام ظہر ہو جاتا ہے۔ آپ شمشیر آبدار نیام میں کر لیتے ہیں۔ یہ موقع پاتے ہی دشمن آپ پر حملہ آور ہوا اور جسم اطہر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئیے۔ لکھتے ہیں کہ تلواروں کی پیہم ضربوں سے

ٹکڑے ہوا ہر عضو بدن تیغوں سے کٹ کر
غش ہو گئے رہوار کی گردن سی لپٹ کر

امام عالیجاہ خاک و خون میں غلطاں ہیں۔ زخمی آقا کی نازک حالت دیکھکر گھوڑا بھی بے چین ہے۔

غلطاں جو لہو میں نظر آیا اسے اسوار
سر خاک پہ جھک جھک کے پٹکنے لگا رہوار

درسِ عمل

یاں رخت اقامت کا سرانجام ہی بیجا اس منزل پُر خوف میں آرام ہی بیجا
عقبیٰ کے سوا یاں کا ہر اک کام ہی بیجا مانند نگیں آرزوی نام ہے بیجا
سینے میں یہ دم مثل چراغ سحری ہے
کر لو عمل خیر یہی ناموری ہے

عبرت

امید نہیں چلنے کی یاں صبح سے تا شام ہستی کو یہ سمجھو کہ ہے خورشید لب بام
یاں کام کرو ایسا کہ آئے جو وہاں کام آپہنچے خدا جانے کب موت کا پیغام
اپنی نہ کوئی ملک نہ املاک سمجھنا
ہونا ہے تمہیں خاک یہ سب خاک سمجھنا

بے ثباتی

دنیا میں سدا ایک سا رہتا نہیں احوال ادبار ہے انساں کا کبھی اور کبھی اقبال
اندوختہ کرتے جسے لگتے ہیں مہ و سال آجاتا ہے وہ غیر کے قبضے میں زر و مال
خالی رہینگے بعد فنا ہاتھ تمہارے
کچھ جمع ہو ایسی کہ چلے ساتھ تمہارے

عبرت

بھائی نہ تو کام آئیگا اسوقت نہ فرزند عرصہ نہیں کھلجائیگا جب آنکھ ہوئی بند
وہ کام کرو جس سی خدا ہوئے رضامند ہوشیار کہ ہونا ہی تمہیں خاک کا پیوند

پیری کی بھی مدت ہی جوانی کی بھی حد ہی
آرام گہ شاہ و گدا کنج لحد ہے

ہیں زیر زمیں صاحب تخت و علم و تاج جو صاحب نوبت تھے نشاں انکی نہیں آج
جو شاہ کہ شاہوں سی سدا لیتی رہے باج وہ بعد فنا آپ کفن کے رہے محتاج

درویش و غنی اسکے ہمیشہ رہے شاکی
بتلاؤ کہ دنیا نے کسی سی بھی وفا کی

درسِ بصیرت

کیا سخت گھڑی ہوگی اجل آئیگی جب دم، کچھ کھچکے ہر اک رگ سی نکلنے لگیگا دم
کیا دیکھینگے ایک ایک کو حسرت سے بصد غم اتنی بھی زباں ہل نہ سکیگی کہ چلے ہم

سب کیلئے اک روز یہ تکلیف دہری ہے
اسپر بھی یہ غفلت ہی عجب بیخبری ہے

عبرت

اس زیست پہ پھولو نہ اجل کو بھی کرو یاد گھر سینکڑوں یاں سیل فنا نے کئے برباد
دنیا میں عمارت نہ بنا کر ہو کوئی شاد اس قالب خاکی کی عجب سست ہی بنیاد

کل اوج پہ جو لوگ تھے وہ زیر زمیں ہیں
ہے خاک کا ڈھیر اب نہ مکاں ہیں نہ مکیں ہیں

کس کس گل رنگیں کی نہ اس باغ میں تھی دھوم اک آن میں شبنم کی طرح ہو گئے معدوم
دکھلا رہی ہی رنگ عجب ہستیٔ موہوم کیا قصد ہی گلچین اجل کا نہیں معلوم
اس باغ میں جس سرو کو دیکھا تو رواں ہی
جس گل پہ بہار آج ہی کل اسپہ خزاں ہی

عبرت و بے ثباتی کے متعلق یہانتک کہنے کے بعد مرثیہ نگار سید الشہدا جناب امام حسین علیہ السلام کے واقعات شہادت کی ابتدا اسطرح کرتا ہے کہ جب تمام عزیز و رفیق مرچکے اور آپ تن تنہا رہ گئے، تو آخری رخصت کے لئے حرم میں تشریف لے گئے۔ دیر تک تلقین صبر فرماتے رہے پھر مخدرات کو گریہ وزاری سے منع فرماتے ہوئے اسطرح ارشاد کرتے ہیں کہ

مصروف دعا ہونگا میں جب حلق کٹیگا
رونے کی صدا سنکے مرا دھیان بٹیگا

اسی سلسلہ بیان میں پھر ارشاد ہوتا ہے۔

وقتِ شہادت

وہ وقت ہی ایسا کہ عبادت میں بسر ہو جز جلوۂ محبوب نہ کچھ پیش نظر ہو
امّت کی دعا لب پہ ہو اور سجدے میں سر ہو کب حلق کٹا تیغ سے یہ بھی نہ خبر ہو
سب بھولا ہوں معنی یہ ہیں تسلیم و رضا کے
اپنی بھی نہ ہو یاد سوا یاد خدا کے

جناب امام سب سے رخصت ہو کر میدان کارزار میں پہنچتے ہیں

اسوقت جو منظر آپ کے پیش نظر ہوتا ہے - مرثیہ نگار اسکی تصویر اسطرح کھینچتا ہے کہ

منظر شہادت گاہ

تھے تیغوں سی ٹکڑے کہیں قاسم کہیں اکبر   بیدست پڑے تھے کہیں عباس دلاور
بیجاں تھے کہیں زینب مظلوم کے دلبر   سوتے تھے کہیں حلق کٹائی علی اصغر
اُن سب کیطرف شاہ بحسرت نگراں تھے
واں زخموں سی خوں بہتا تھا یاں اشک رواں تھے

قاسم کے الم سی ہمہ تن ضعف تھے مولا   عباس کے غم سی نہ ہوا جاتا تھا سیدھا
ہجر علی اکبر سے عجب حال تھا دل کا   مجروح تھا تیر علی اصغر سے کلیجا
حضرت پہ کئی غم کے فلک ٹوٹ پڑے تھے
اسپر بخوشی برچھیاں کھانیکو کھڑے تھے

فوج شام جناب امام حسین علیہ السلام پر ہر طرف سے حملہ کرتی ہے - آپ کمال رحم و کرم سے ارشاد فرماتے ہیں -

اعلیٰ اخلاق

بے جرم دئے داغ عزیزاں مجھے چند   پر یہ نہ سمجھنا کہ میں ہوں تم سے گلہ مند
خاصان خدا رہتے ہیں ہر حال میں خورسند   بیٹے میرے مارے گئے تم ہو مرے فرزند
اچھا کیا بہتر کیا جو بے ادبی کی
میں خیر سمجھتا نہیں امت ہو نبی کی

لیکن جب آپ نے دیکھا کہ دشمن کسی طرح مانتے ہی نہیں اور

حملہ پہ حملہ کئے جاتے ہیں ۔ تو آپ بھی مجسّمہ غضب و شجاعت بنکر مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے ۔

حضرت کا تو یہ حال تھا وہ مارتے تھے تیر لگتا تھا جہاں تیر وہیں پڑتی تھی شمشیر
شمشیر کے زخموں پہ لگے خنجر بے پیر بہتا تھا لہو حال ہوا جاتا تھا تغییر
کیا رحم تھا کچھ منہ سے نہ فرماتے تھے حضرت
قبضے کیطرف دیکھکے رہ جاتے تھے حضرت

نعرہ کیا اور فوج میں شبیر در آئے سردار ہر اک ضرب میں بے سر نظر آئے
اس صف میں کبھی اور کبھی اس غول پر آئے اعدا پہ خدا کا غضب آیا جدھر آئے
جب ہاتھ اٹھا پہنچی چمک چرخ بریں پر
جب فرق پہ بیٹھی تو گری برق زمیں پر

آپ کی ہیبت دشمنوں پر چھا گئی ۔ اور یہ عالم تھا
دیکھا جسے غصّے سے جگر پھٹ گیا اسکا
لڑنیکو بڑھے جس سے لہو گھٹ گیا اسکا

حضرت کے گھوڑے کی تعریف میں ایک بند ملاحظہ ہو

گھوڑے کی تعریف

جب تیغ سے تیروں کو قلم کرتے تھے شبیر جاتا تھا اشارے میں کماندار پہ جوں تیر
پے کرکے انہیں پھیرتے جب رخ شہ دلگیر آتا تھا پیادوں پہ سواروں کی صفیں چیر
سیماب کی صورت نہ قرار اسکو کہیں تھا
کرتے تھے جہاں قصد شہ دیں یہ وہیں تھا

جنگ کرتے ہوئے جناب امام زخمی ہو جاتے ہیں۔

دم لینے نہ پائے تھے کہ پھر فوج نے گھیرا — منہ سید بیکس نے ہزاروں سے نہ پھیرا
پر ضعف سے آنکھوں تلے آتا تھا اندھیرا — دل کہتا تھا اب حال بہت غیر ہے میرا

اسوقت بھی حیدر کیطرح لڑتے تھے شبیرؑ
جو ٹوکتا تھا شیر سے جا پڑتے تھے شبیرؑ

اسی سلسلۂ بیان میں ایک بیت اور ملاحظہ ہو۔

جب وار لگاتے تھے کسی دشمن دیں پر
اڑ اڑ کے لہو زخموں سے گرتا تھا زمیں پر

جناب امام سراپا زخموں میں چور ہو چکے ہیں۔ اسوقت آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ میرے بعد حرم کا کیا حال ہوگا۔ پھر خود ہی اسطرح ارشاد فرماتے ہیں۔

بیٹی سے نہ بیٹے سے نہ کچھ گھر سے غرض ہی
اب کام ہی اللہ سے خنجر سے غرض ہی

آپ شدت ضعف کی تاب نہ لا سکے۔ اور بالآخر گر پڑے۔ اور شمر سنگدل نے شہید کر دیا ⁂

حضرت امام حسینؑ اپنے چھوٹے سے قافلے کے ساتھ دشت نینوا میں پہنچتے ہیں۔ اور فوج کو ایک جگہ ٹھہر جانے کا حکم دیتے ہیں۔ اسوقت

کی بوستانِ حسنؑ حسینؑ نے یہ گفتگو آتی ہے اس زمیں کے گلوں سے دلہن کی بو
اکبر یہ بولے تھی ہمیں خنجر کی آرزو عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہ نیک خو
ہاں کونسی جگہ تمہیں بھائی پسند ہے
اس شیر نے کہا کہ ترائی پسند ہے

دریا کو دیکھ دیکھ کے لہرا رہا ہے دل پانی بھی خوشگوار ہوا بھی ہے معتدل
مولا قدم پکڑتی ہے کچھ یاں کی آب و گل بہتر ہے گر خیام ہوں ساحل کی متصل
پانی سے ہاتھ منہ کو لب نہر دھوئینگے
جاگے بہت ہیں پاؤنکو پھیلا سوئینگے

فرمایا شہ نے خیر جو اللہ کی رضا موقع جہاں ہو خیمہ کو اس جا کرو بپا
آرام سے غریب مسافر کو کام کیا رہتے ہیں دھوپ میں بھی بہت بندۂ خدا
دو چار دن میں عمر کی مدّت تمام ہے
میدان سے غرض ہے نہ دریا سے کام ہے

حضرت زینبؑ امام عالیجاہ سے دریافت فرماتی ہیں کہ ہمارا قافلہ چلتے چلتے کیوں رک گیا۔ یہ کون سا مقام ہے۔

بستی بھی کوئی ہے یہی یا ایک نہر ہے
اس دشت پر خطر میں اترنا تو قہر ہے
جنگل میں ہے بشر کے لئے سو طرح کا ڈر اٹھتے ہیں بار بار بگولے ادھر ادھر

دن کٹ گیا تو ہوئے گی شب کسطرح بسر لشکر میں غل رہیگا درندوں کا رات بھر
بچّے بھی مارے خوف کے ہیں تر پسینے میں
میرا تو دل ابھی سے اچھلتا ہے سینے میں
اس سرزمیں کے گل نظر آتے ہیں مجھکو خار نشتر سے کم نہیں ہے رگ جاں کو سبزہ زار
یہ بادِ تند تیر سی ہوتی ہے دل کے پار اس بن کی خاک سے مری خاطر پہ ہے غبار
کیا رنگ آگے دیکھئے قسمت دکھاتی ہے
یاں کی زمیں سے خون کی بو مجھکو آتی ہے
آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمن اترو یہیں جگہ یہ نہیں خوف کی بہن
یہ نہر علقمہ ہے یہ ہے کربلا کا بن آئے اسی کے شوق میں ہم چھوڑ کر وطن
رہنے میں اس جگہ کے ضرر کیا فقیر کا
خیمہ یہیں ہوا تھا جناب امیر کا

واقعہ نگاری

اترے فرس سے حضرت عباسؑ نیکنام بٹھلائے اونٹ خیمہ کے سب کھینچکر زمام
فراش چاہتے تھے کہ برپا کریں خیام تلواریں کھینچے گھاٹ پہ آپہنچی فوج شام
زینبؑ کے دل پہ ظلم کی شمشیر پھر گئی
شہ کی نظر میں موت کی تصویر پھر گئی
ہٹ ہٹ کے کھینچنے لگے تیغوں کو اہل شر عباسؑ نے بھی رکھدیا قبضہ پہ ہاتھ ادھر
زینبؑ پکاری کھولکے محمل سے اپنا سر بھائی خدا کیواسطے لو بھائی کی خبر

للہ شیر بیشۂ حیدر کو روک لو
تلواریں کھنچ گئی ہیں برادر کو روک لو

مجرے کو جھک گئے رفقا باندھکر پرا حضرت نے سر پہ ہاتھ عجب پیار سے دھرا
ہنسکر نظر عزیزوں کی جانب جو کی ذرا سب باغ فاطمہ نظر آیا ہرا بھرا

تھے اسطرح جوانوں میں لڑکے ملے ہوئے
ہوں جسطرح سے پھول چمن میں کھلے ہوئے

دوسرے روز جنگ شروع ہوتی ہے۔ انصار و اعزہ سب لڑائی میں کام آتے ہیں۔ آخرکار امام فلک مقام بھی شہید ہو جاتے ہیں ؎

مفارقتِ پسر

پیری میں چھٹے شاہ جو فرزند جواں سے مجروح ہوا دل غم اکبر کی سناں سے
طاقت نے کنارا کیا شاہ دو جہاں سے نکلا نہ کوئی حرف شکایت کا زباں سے

اٹھا یہ دھواں آتش فرقت سے جگر میں
اندھیر جہاں ہو گیا حضرت کی نظر میں

یوں خیمے میں رخصت کو شہِ بحر و بر آئے جسطرح کبھی برجِ شرف میں قمر آئے
زینب کو جو اسطرح شہِ دیں نظر آئے شق ہو گیا دل سینے میں اور اشک بھر آئے

اسوقت حضرت نے بہن کو مغموم و ملول دیکھکر ارشاد کیا۔

یہ دہر نہیں لائق آسائش و آرام غمگیں ہے کبھی اور کبھی خوش ہے دل ناکام
بنتی نہیں کچھ آگیا جب موت کا پیغام واللہ کہ ہے خاک اس آغاز کا انجام
مشتاق شہادت دل بے صبر ہے اپنا
اک روز بدن خاک ہو گھر قبر ہے اپنا

بتلاؤ مسافر کو نہ کسطرح ہو وسواس تنہائی ہیں دلبند نہ فرزند کوئی پاس
حسرت سے اگر دیکھئے تربت ہیں چپ و راس ہمراہ ہیں اعمال تو ہمدم الم و یاس
تاریکی میں کیا جانئے کس طرح بسر ہو
اندھیر ہے روشن نہ اگر داغ جگر ہو

اکدم کی جدائی ہے مرے واسطے دشوار مجبور ہوں تقدیر سے اے خواہر غمخوار
ہے مستعد قتل ادہر فوج ستمگار کرتا ہوں وصیت تمہیں سب گھر سے خبردار
زہرا نے مصیبت میں شکایت نہ کبھی کی
لازم ہے تمہیں صبر کہ بیٹی ہو اسی کی

زینبؑ مجھے درپیش ہے اکدم میں عجب راہ جس راہ میں ہوتا نہیں ہمدرد کوئی آہ
کسطرح مسافر کو نہ ہو صدمۂ جانکاہ مانگو یہ دعا رحم کرے پیاسے پہ اللہ
طاقت نہیں جو دل پہ سہوں رنج و الم کو
ہے زیر قدم راہ عدم اب کوئی دم کو

دو دن سے ہے آمادۂ شر لشکر اشرار تلواروں کو کھینچے ہوئے آتے ہیں ستمگار
ہنس ہنسکے یہ کہتے ہیں سخن منہ سے بتکرار کیا وجہ جو آتے نہیں رن میں شہ ابرار

لشکر کے کماندار سمٹ کر بہم آئیں
میداں میں جو آتے نہیں حضرت تو ہم آئیں
یہ طعن کی باتیں مجھے کیونکر ہوں گوارا اسوقت مناسب نہیں مرنے سے کنارا
فرزند بھی سینے پہ سناں کھا کے سدھارا بھائی کی جدائی سے مرا دل ہی دوپارا
اکبر سا پسر اب کوئی مہرو نہیں رکھتے
جو چاہیں کہیں قوت بازو نہیں رکھتے
یہ کہکے بہت روئے شہنشاہ دو عالم تھا جوش یہ اشکوں کا کہ رومال ہوا نم
برپا ہوا خیمے میں عجب حشر کا ماتم بانو نے سکینہ کو اشارا کیا اسدم
میداں میں سدھارے تو نہ پھر آئینگے شبیر
صدقے گئی تم روکو تو رک جائینگے شبیر

حضرت سکینہ ماں کا اشارہ پاتے ہی باپ کی گود میں پہنچ جاتی ہیں۔

منہ چوم کے شبیر سخن لب پہ یہ لائے ہم شب کو عبادت کے سبب گھر میں نہ آئے
تھیں لب پہ دعائیں کبھی قرآن کے آئے اب لیت سی عاری ہوں خدا جلد اٹھائے
بتلاؤ جدائی کی یہ شب رو کے گذاری
یا چین سے گوشہ میں کہیں سو کے گذاری
ہے درپے ایذا و ستم یہ فلک پیر کس سن میں تمہیں ہم سے جدا کرتی ہے تقدیر
رو رو کے سکینہ نہ کرو حال کو تغئیر اب عصر تلک ہم نہ جینگے کسی تدبیر

تا زیست مصیبت میں گرفتار رہو گی
کس طرح یتیمی کی بلا دل پہ سہو گی

جسدم یہ سکینہ نے سنی شاہ کی گفتار
ننھے سے کلیجے پہ چلا خنجر خونخوار
بس باپ کے دامن کو پکڑ کر وہ دل افگار
بولی کہ یہ کیا مجھکو سنایا شہ ابرار
کیا آگے مرے ہووئیگی رحلت شہ دین کی
مجھ سے نہ سہی جائیگی فرقت شہ دین کی

تاثیر و درد

معلوم ہوا کچھ نہیں حضرت کو مری چاہ
سنتے نہیں زاری مری اے سرور ذیجاہ!
کس سے کہوں جو دل پہ گذرتی ہے مرے آہ
رونے پہ مرے رحم بھی آتا نہیں یا شاہ
خوں ہوتا ہے اس غم سے دل زار ہمارا
صدقے گئی کیا ہو گیا وہ پیار ہمارا

ہر دم سخن یاس نہ فرمائیے بابا
روتی ہے سکینہ اسے سمجھائیے بابا
تنہائی میں کسطرح کہوں جائیے بابا
پانی کا بہانا ہے نہ بہلائیے بابا
اصغر گئے دریا پہ مگر تشنہ لب آئے
اس چاہ میں عباس گئے جب سے کب آئے

یہ سنتے ہی شبیر پہ رقت ہوئی طاری
پھر چھاتی سے بیٹی کو لگایا کئی باری
فرمایا ولاسے سے یہ یا گریہ و زاری
اسطرح نہ بے صبر ہو جو مرضئ باری
ہوں لاکھ الم صبر وہی دیتا ہے بی بی
جو پڑتی ہے انسان پہ سہہ لیتا ہی بی بی

اک ہم ہیں کہ عباس سے کیا رکھتے تھے الفت ہوتی ہے کہاں بھائیوں میں ایسی محبت
اس شیر کی افسوس ہوئی سامنے رحلت دل ٹکڑے ہوا کھوئی گئی شانوں کی طاقت
ہمدم تو روانہ ہوا سوئے عدم اپنا
نکلا نہ مگر بھائی کے ہمراہ دم اپنا

دکھلا کے لب خشک سکینہ نہ رلاؤ ہر بار نہ ہونٹوں پہ زباں اپنی پھراؤ
لو گود میں اب مادر ناشاد کے جاؤ خالق کو کرو یاد ہمیں دل سے بھلاؤ
دکھ درد میں ہمدم غم جانکاہ تو ہوگا
مشکل میں مدد کرنے کو اللہ تو ہوگا

یہ کہکے اٹھے آپ تو برپا ہوا ماتم فریاد سے ہلتا تھا کلس خیمہ کا ہر دم
لپٹی تھی کوئی شاہ کے قدموں سے بصد غم کہتی تھی کوئی رو کے چلے آپ موئے ہم
یوں سب نے لیا حلقہ میں اس فخر ملک کو
جسطرح کرن گھیر لے خورشید فلک کو

احساس تنہائی

ناگاہ بڑھے جانب مرکب شہ ابرار خود آیا قدمبوسی کو آقا کے وہ رہوار
پایا نہ جلو میں جو کوئی مونس و غمخوار تنہائی میں یاد آگئے عباس علمدار
چلائے نہ دریا سے پھری جا کے برادر
تھامو مرے گھوڑے کی رکاب آ کے برادر

گھوڑے کی تعریف

طاؤس تھا رفتار میں اڑجانے میں شہباز فتراک نہ تھی کھولے ہوئے تھا پر پرواز

اڑجاتا تھا پر ساز سے آتی تھی نہ آواز چالاک تھا شوخی ہیں تو چلنے میں قدم باز
اسوار جو روکے تو رُکے باگ ذرا بھی
یوں سَن سے وہ اڑ جائے کہ پائے نہ ہوا بھی

اس شان سے مقتل میں جو آئے شہ ابرار کیا رعب تھا تھرا گیا سب لشکر اشرار
ٹھہرا نہ گیا سامنے پسپا ہوئے سردار روپوش ہوئے سہم کے گوشوں میں کماندار
سب اہل خطا منہ پہ لئے تھے سپروں کو
ترکش میں چھپائے ہوئے تھے تیر پروں کو

ناگاہ رجز پڑھنے لگے یوں شہ عالم جسطرح سے رویاہوں میں گونجے کبھی ضیغم
آگاہ ہو میں کون ہوں اے فرقۂ اظلم کیا تمکو ملیگا جو یہ سیّد ہوا بیدم
دنیا میں مراتب ہیں جلی صاف ہمارے
قرآن میں تحریر ہیں اوصاف ہمارے

افلاک پہ جبریل ثنا خواں ہے ہمارا ہر دولت اسلام سے داماں ہے ہمارا
وہ کون ہے جسپر نہیں احساں ہے ہمارا قراں کو سمجھتے ہیں کہ ایماں ہے ہمارا
اللہ کی سرکار کے مختار ہمیں ہیں
دیکھو غضب حضرت قہار ہمیں ہیں

انصاف سے اے قوم تمہیں دلمیں کرو غور یہ ظلم مسافر پہ نبی زادے پہ یہ جور
مہمان کی دعوت کا نکالا ہے نیا طور پانی نہ دیا کیا کوئی امید رکھے اور
تھا کاٹنا منظور اگر سر کو ہمارے
کیوں تیر سے مارا علی اصغر کو ہمارے

شانے ہوئے بھائی کے قلم آنکھوں کے آگے
تر ہوگیا سب خوں سے علم آنکھوں کے آگے
اکبر پہ چلی تیغ ستم آنکھوں کے آگے
بیجاں ہوئے وہ توڑ کے دم آنکھوں کے آگے
قاسم نہ رہے مر گئے مسلم کے پسر بھی
کام آگئے ہمشیر کے دو لخت جگر بھی

ناگاہ بڑھا شمر سوئے سبط پیمبرؐ
جھنجھلا کے یہ لایا سخن سخت زباں پر
ہاں آپ بجا کہتے ہیں دل ہے مرا پتھر
منظور ہے اب آج یہ ہو جائے مہم سر
پانی کے نہ ملنے کا عبث آپکو غم ہے
یہ خشک گلا لایق شمشیر دو دم ہے

یہ سنتے ہی بپھرا اسد اللہ کا جایا
منہ سرخ ہوا غیظ سے تیوری کو چڑھایا
شمشیر کے قبضہ کی طرف ہاتھ بڑھایا
معلوم ہوا غار سے اژدر نکل آیا
غل تھا کہ بدن آگ ہے منہ قہر ہے اسکا
پھر چڑھکے اترتا نہیں وہ زہر ہے اسکا

تلوار کا بیان

بجلی سی وہ شمشیر چمکتی جدھر آئی
ہر غول میں بوچھار سروں کی نظر آئی
جس سر پہ گری پیر کے وہ تا کمر آئی
زیں پر جو گری گھوڑے سے نیچے اتر آئی
دم اور بڑھا خوں جو پیا ناب نے اسکی
طوفان بپا کر دیا تھا آب نے اسکی

شمشیر شرر ریز سے طالب تھی اماں آگ
ظاہر میں تو مفقود تھی باطن میں نہاں آگ
واں نور یہاں برق جو واں موج تو یاں آگ
جل جل گئے ناری یہ ہوئی شعلہ فشاں آگ

خورشید کا منہ زرد تھا تیغوں کی چمک سے
دریا کے قریں آگ برستی تھی فلک سے
نیزوں کی سنانوں کو جلا دیتی تھی رن میں، اک آگ لب نہر لگا دیتی تھی رن میں
ہر صف میں پروں کو وہ گرا دیتی تھی رن میں ہستی کے چراغوں کو بجھا دیتی تھی رن میں
شعلہ تھی قیامت تھی روانی میں بلا تھی
سرداروں کے سر اڑ گئے آندھی تھی ہوا تھی
کیا خوب بھلا لگتا تھا اسکا وہ لچکنا، اس ابر میں ڈھالوں کی وہ بجلی کا چمکنا
جنگل میں شراروں سے وہ آتش کا بھڑکنا وہ دیدۂ جوہر سے ستمگاروں کو تکنا
تھا شور زمیں لال ہوئی رن کی لہو سے
کیا آنکھ ملائے کوئی اس عربدہ جو سے
دو ہاتھ جدھر چل گئے اس تیغ دوسر کے کٹ کٹ کے گرے تبروں کے پھل پھول سپر کے
سب درہم و برہم تھے پرے لشکر شر کے جو زور میں رستم سے سوا تھے وہی سر کے
جس صف پہ گری آگ لگاتی ہوئی اٹھی
اعدا کو برش اپنی دکھاتی ہوئی اٹھی
خوں سے شفقی دامن صحرا کیا اسنے گرمائے سیہ کار تو ٹھنڈا کیا اسنے
طوفان بپا جانب دریا کیا اسنے ہر غول میں سرداروں کو پسپا کیا اسنے
تھا شور تلاطم میں ہے تختہ یہ زمیں کا
کیا باڑھ پہ ہی گھاٹ حسام شہ دیں کا

سر پر کبھی چمکی تو جگر تک اتر آئی سینے کو کیا چاک تو زیر کمر آئی
بجلی نے اماں مانگی یہ وہ کام کر آئی خود روح کو سکتہ تھا کب آئی کدھر آئی
رہوار کو کاٹا نہ رکی خانۂ زیں پر
گویا کہ گری چرخ سے اک برق زمیں پر

لڑتے ہوئے شبیر جو پہنچے لب دریا ریتی پہ علمدار کا لاشا نظر آیا
الفت سے برادر کے ہوا دل تہ و بالا دم رک گیا حضرت کا جو منہ بھائی کا دیکھا
پھر جنگ کا یارا نہ رہا شاہ امم کو
جلدی سے رکھا میان میں شمشیر دو دم کو

تاثیر بیان

گھوڑے کی عناں روک کے فرمایا کہ بھائی عباس علمدار ترائی تمہیں بھائی
پانی کے لئے آہ بہت جان لڑائی دریا سے مگر بوند بھی پانی کی نہ پائی
لپٹاؤ گلے سے کہ بہل جائے سکینہ
اے میرے بہشتی مری سقائے سکینہ

بھائی سے جو حضرت نے یہ کی درد کی گفتار صدمہ ہوا تھرانے لگی لاشِ علمدار
بیدینوں کو مہلت جو ملی اتنے میں اکبار پھر دور سے برسانے لگے تیر کماندار
ڈھالوں کی گھٹا چھا گئی پھر ظلم کے بن میں
پھر گھر گیا وہ فاطمہ کا چاند گہن میں

باندھے تھا کمر ظلم پہ سب لشکر بد خو جن جن کے قدم اٹھ گئے تھے آ گئے بر رو
سلطان امم تکتے تھے کس یاس سے ہر سو ناگاہ لگا حلق پہ اک تیر سہ پہلو

پہلو پہ تبر پڑ گیا اکبار کسی کا
سینے پہ لگا نیزۂ خونخوار کسی کا

غش تھے کہ لگا فرق پہ اک گرز گرانبار بس گھوڑے سے ریتی پہ گرے سیّد ابرار
رعشہ کے سبب چھوٹ گئی ہاتھ سے تلوار سجدہ میں جھکا وہ خلف حیدر کرّار
سر کاٹنے واں شمر بڑھا لشکر کیں سے
یاں بنت علی نکلی خیام شہ دیں سے

آیا زوال رن میں جو مہر منیر پر غم کا فلک گرا شہ گردوں سریر پر
نرغہ تھا شامیوں کا جہاں کے امیر پر پڑتی تھی تیغ تیغ پہ اور تیر تیر پر
مرنے لگے رفیق شہ کم سپاہ کے
دس بیس تارے رہ گئے ہمراہ ماہ کے

پہنچے ریاض خلد میں جس دم وہ تشنہ کام پھر تو ملی نہ عصر تلک مہلت کلام
ہونے لگا قلم چمن سرور انام قاسم رہے نہ حضرت عباس نیکنام
سب کارواں گیا شہِ دلگیر رہ گئے
نالاں جرس کی طرح سے شبیر رہ گئے

وہ لُو وہ گرد اور وہ صحرائے لق و دق تھے دوپہر کی دھوپ سے مولا عرق عرق
تیغ غم پسر سے جگر ہو گیا تھا شق دل کو جوانی علی اکبر کا تھا قلق

عباس کو حسین جو دریا پہ رو چکے بھائی سے اپنے ہاتھ لب نہر دھو چکے
یاں تک کہ قتل اکبر و اصغر بھی ہو چکے سینے پہ جو پلے تھے وہ جنگل میں سو چکے
تھے نوحہ گر ہر اک کے تن پاش پاش پہ
قاسم کی لاش پر کبھی اکبر کی لاش پر

حضرت امام حسین فوج شام کے سامنے پہنچ جاتے ہیں۔ اور ان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

حاشا نہ حبّ جاہ ہے مجھکو نہ حبّ مال ناحق مجھے ستاتے ہو اچھا نہیں مآل
رہنے سے میرے شہر میں گر ہو تمہیں ملال جنگل میں جا بسے یہ مسافر مع عیال
لب پر ہے جان فاطمہ کے نور عین کی
یہ بھی نہ ہو تو پیاس بجھا دو حسین کی

اسکے بعد فرماتے ہیں کہ اگر تم میری زندگی کے درپے اور خواہاں ہو تو میں بخوشی اس سے دست بردار ہونے کے لئے تیار ہوں مگر میرے بعد ناموس مصطفےٰ کا پرسان حال کون ہو گا۔ کیا تم حفظ اہل بیت کا وعدہ کرتے ہو؟ دشمن آپ کی اس تقریر کا نہ صرف گستاخانہ جواب دیتا ہے۔ بلکہ مرے ہوؤں کی تذلیل و توہین شروع کر دیتا ہے۔ اور کہتا ہے۔

ناصر کدھر گئے وہ مددگار کیا ہوئے

برچھی لگی جگر پہ سنی شہ نے جب یہ بات بولے عجیب پیاس سے مر کر سوئے فرات
عباس سن رہے ہو جو کہتے ہیں بد صفات افسوس کٹ گئے ہیں تمہارے تو دونوں ہات

تم سا کہاں سے شیر جواں لائے اب حسینؑ
بولو پے مدد کسے بلوائے اب حسینؑ

باتیں سنیں یہ درد کی جسدم امام سے نکلی تڑپ کے تیغ دو پیکر نیام سے
کی عرض یوں حسین علیہ السلام سے بیچین ہوں میں اب سخن فوج شام سے
کچھ انکو پاس آل رسول عرب نہیں
دشمن وہ کیا کہ آپکا جسکو ادب نہیں

کھینچی یہ سنتے ہی دل نالاں سے شہ نے آہ قبضے کو چوم کر سوئے افلاک کی نگاہ
کی عرض یوں خدا سے کہ ای کل کے بادشاہ اعدا کے ظلم کا تجھے کرتا ہوں اب گواہ
سوکھی زباں میں بات کی طاقت نہیں رہی
شاہد ہے تو کہ اب کوئی حجت نہیں رہی

ہدیۂ درویش

تیرے کرم سے کام مرے سب سنور چکے قاسم بھی مر چکے علی اصغر بھی مر چکے
داغ فراق سینے پہ اصغر بھی دھر چکے پیش غنی فقیر کے ہدیے گذر چکے
اب سر مرا ہے خنجر خونخوار کے لئے
لاتا ہوں ہدیہ اب تری سرکار کیلئے

میں ہوں تو کیا ہوں اور مرا ہدیہ جو ہے تو کیا بندی یہ سب ترے تھے جو تجھ پہ ہوئے فدا
شکر ای کریم تیرا میں کیونکر کروں ادا میں نے طلب جو تجھ سے کیا وہ مجھے ملا
ہر بال بال منت و احساں کا گھر بنا
تیرے کرم سے کام مرا سر بسر بنا

یہ کہہ کر

سید چڑھے فرس پہ تن کے ہوئی قبلۂ امم پھر بیقرار ہو گئی شمشیر بر قدم

چین جبیں سے کام بر آئے حسام کے

گھوڑا بھی دیکھنے لگا تیور امام کے

جولاں کیا فرس کو جو رانوں میں داب کے ظاہر ہوئی ہلال سی حلقے رکاب کے

تھے سب چلن براق رسالت مآب کے فتراک کیا اڑی کہ کھلے پر عقاب کے

ناگاہ سپاہ ظلم پہ نازل بلا ہوئی

یعنی علم حسام شہ لافتیٰ ہوئی

تلوار کی تعریف

اس تیغ کی زبانیں بھی دو تھیں دہاں بھی دو ضربت سے اسکی تیر بھی دو تھے کماں بھی دو

مغفر بھی دو تھے گرز بھی دو اور سناں بھی دو رہوار دو سوار ضلالت نشاں بھی دو

زخموں کی سیر کرتی تھی گلزار جانکر

ہر صف کو وہ گراتی تھی دیوار جانکر

غل تھا کہ اسکے خوف سے اب دم میں دم نہیں پیغام ہے اجل کا یہ تیغ دو دم نہیں

شعلہ جحیم کا ہے یہ ابر کرم نہیں اعجوبہ ایسی چال تو ہے اور قدم نہیں

دیکھا نہیں یہ خم کسی تیغ ہلال میں

جوہر سے یہ عیاں ہے کہ مچھلی ہے جال میں

برسی جدھر کو رخ کیا جس پر پڑی پڑی غوطے لگا رہی تھی لہو میں گھڑی گھڑی

چوٹیں جو دشمنوں پہ پڑیں تھیں کڑی کڑی کٹ کٹ کے ہر زرہ کی جدا تھی کڑی کڑی

چمکی یہ سر پہ جب تو گئی خود سر تلک
بیٹھی جو سر پہ کاٹ کے آئی جگر تلک
تلوار تھی کہ قدرت پروردگار تھی	برق غضب کبھی کبھی ابر بہار تھی
آتش مزاج تھی یہ عجب آبدار تھی	کشتوں سے باغیوں کے زمیں لالہ زار تھی
پھولا ہوا تھا کھیت غضب کی بہار تھی
جو چیز اس زمیں پہ تھی مثل خیار تھی
سب بیچراغ شامی بے درد ہو گئے	جو تیغ زن بڑے تھے وہ نامرد ہو گئے
پیتے ہی آب تیغ دو دم سرد ہو گئے	دشمن ابو تراب کے سب گرد ہو گئے
بیدم ہوا وہ تیغ قضا جسکو چھو گئی
پانی نہ مانگا اسنے ہوا جسکو چھو گئی

اتنے میں نماز ظہر کا وقت ہو جاتا ہے۔ آپ جنگ موقوف کر کے مصروف یاد الٰہی ہوتے ہیں۔ دشمن کو شہید کرنے کا موقع ملجاتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

حربے چلے سپاہ کے عالم کے شاہ پر	ظلمت محیط ہو گئی نور الٰہ پر
بدلی گھٹا کی چھا گئی زہرا کے ماہ پہ	ہلا گیا چھ لاکھ نے اک بے گناہ پر
تیروں سے جسم خانۂ زنبور ہو گیا
زخم اسقدر لگے کہ بدن چور ہو گیا
مارا ابوالحنوق نے ناگہ گلے پہ تیر	پہلو پہ پڑ گیا تیر خونی شریر
زخموں سے خون ہو کے بہا فاطمہ کا شیر	غش ہو گئی اُگل کے لہو شاہ بے نظیر

کیا کیا ہوئی نہ ظلم تن پاش پاش پر
غربت بھی رو رہی تھی مسافر کی لاش پر

یاد رفتگاں

جب آخری رخصت کو حسینؑ آئے حرم سے سب بیبیاں لپٹیں شہ والا کے قدم سے
حضرت نے کہا قطع محبّت کرو ہم سے جینے کے نہیں ہم علی اکبر کے الم سے
بابا سے نہ جب تک وہ گل اندام ملیگا
تب تک نہ ہمیں ایک دم آرام ملیگا

سب مر چکے اب کس کے لئے سر نہ کٹائیں ایسے نہیں بچھڑے کہ جو اکبر چلے آئیں
کسطرح سے اس یوسف گم گشتہ کو پائیں ہے فرق بصارت میں کدھر ڈھونڈنے جائیں
بے انکے نہ کھانیکا نہ پینے کا مزا ہے
فرزند سلامت ہو تو جینے کا مزا ہے

اک جان حزیں تا بہ کجا رنج اٹھائے راحت اب اسی میں ہے کہ جلدی اجل آئے
زخم جگر و دل کسے شبیر دکھائے اللہ تباہی یہ کسی گھر پہ نہ لائے
تاراج نہ اسطرح سے ہو باغ کسی کا
اب مجھکو دکھائے نہ خدا داغ کسی کا

آگے مرے مارے گئے دو بھانجے پیارے قاسم بنے دنیا سے پر ارمان سدھارے
عباس کا غم پوچھے کوئی دل سے ہمارے اکبر کے تو مرنے سے ہوئے گور کنارے

اب پاس نہ بھائی نہ بھتیجا نہ پسر ہے
سو داغ اور اک دل یہ ہمارا ہی جگر ہے

ناموس پاک سے رخصت ہو کر

گھوڑے پہ چڑھا راکب دوش شہ لولاک　　جوں برق ہوا گرم عناں توسن چالاک
اقبال نے آ کر بادب تھام لی فتراک　　نصرت نے بھی چومے بتفاخر قدم پاک
تھا شور کہ مرنے کو حسین آج چلے ہیں
معراج کو یا صاحب معراج چلے ہیں

اس شان سے وہ فاطمہ کا زینت آغوش　　میداں میں جو پہنچا تو نقیبوں کے اڑے ہوش
مثل لب سوفار کماندار تھے خاموش　　اعدا کو ہوا جنگ کا انداز فراموش
بڑھنے سے قدم رکنے لگے فوج لعیں کے
مجرے کو علم جھکنے لگے فوج عدو کے

سراپا

تنہا تھے پہ اللہ رے شکوہ شہ آفاق　　دشمن بھی ہوئے حسن کے نظارے کے مشتاق
غل تھا کہ نثار قلم قدرت خلاق　　ہوتی ہے یہاں طاقت ذہن بشری طاق
کس حسن سے شکل شہ دلگیر کھنچی ہے
گویا ورق نور پہ تصویر کھنچی ہے

زخم دل فرزند جو یاد آتا ہے پیہم　　یہ درد ہے سینہ میں کہ لے سکتے نہیں دم
بار الم فرقت عباس سے ہیں خم　　کیا شوق ہے مرنے پہ کمر باندھے ہیں محکم

سر کٹنے کی پروا نہیں میدان وغا میں
کس صبر سے مارا ہے قدم راہ خدا میں

آپ کے تیز رفتار گھوڑے کی تعریف میں مبالغہ شاعرانہ یوں صرف کرتے ہیں۔

کیا سرعت توسن کو قلم کر سکے ارقام   صحرائے وسیع دو جہاں جسکا ہے اک گام
کاوے پہ جو پھرتے اسے دیکھیں سحر و شام   گردش کو فراموش کرے ابلق ایام
اس تیزی سے صرصر کو گذرتے نہیں دیکھا
جوں برق کبھی اسکو ٹھہرتے نہیں دیکھا

شدتِ گرما

جلتی تھی زمیں رن کی ہوا شعلہ فشاں تھی   مضطر تھے چرند اور پرندو نمیں جاں تھی
ماہی بھی حرارت سے تہ آب نہاں تھی   ہوئیگی قیامت میں جو گرمی وہ عیاں تھی
کانٹے تھے تپ و تاب سے ماہی کے گلو میں
بتخالے حبابوں کے پڑے تھے لب جو میں

محاکات

اس گرمی میں بھرتے تھے جو حضرت نفس سرد   ہنستے تھے عداوت سے انہیں دیکھکے بیدرد
تھا ضعف سے جوں مہر رخ سبط نبی زرد   گیسوئے معنبر بسر دوش تھے پُر گرد
پانی جو نہ ملتا تھا شہ کون و مکاں کو
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ پھراتے تھے زباں کو

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ فضہ علی اصغر کو ہاتھوں پر اٹھائے

لا رہی ہے۔

یہ دیکھ کے پھر رونے لگے شاہ خوش اوقات — نزدیک گئی دور سی پھیلائی ہوئے ہات
فرزند کو آغوش میں لے کر یہ کہی بات — ماں سے مری جاں تم بھی جدا ہوگئے ہیہات
بانو کے بھی جینے کی مجھے آس نہیں ہے
اب کوئی سکینہ کے سوا پاس نہیں ہے

تاثیر و درد

فرما کے یہ آئے صف اعدا کے برابر — اک اک سے کہا بچے کو ہاتھوں پہ اٹھا کر
مظلوم ہی معصوم ہی پیاسا ہی یہ دلبر — نہ دودھ میسّر ہے نہ پانی ہے میسّر
راضی ہو نہیں تیغوں سے لہو میرا بہا دو
پر تھوڑا سا پانی اسے دریا سے پلا دو

راضی ہوں میں قیمت ہی جو منظور تو زر لو — تم پانی کے قطرے کے عوض مجھ سی گہر لو
اک چلّو سے خالی ہو اگر نہر تو بھر لو — پانی دو اسے اور چمن خلد میں گھر لو
احساں کو نہ بھولیگا یہ حیدر کا ہے پوتا
فرزند مرا ساقی کوثر کا ہے پوتا

لیکن ہوئی واں مستعد قتل کماندار — صف باندھکے چلوں سی ملائی لب سوفار
پڑنے لگی معصوم پہ تیروں کی جو بوچھاڑ — خم ہو کے بچاتے تھے اسے سید ابرار
چلاتے تھے پیہم کہ یہ کیا کرتے ہو یارو
بچہ کو جو تاکا تو خطا کرتے ہو یارو

ناگہ بن کاہل کی کماں سے جو چلا تیر بچّہ کا گلا چھد گیا اور بازوئے شبیر
دم بند ہوا اور دگرگوں حالت ہوئی تغیر منہ کھول کے ہاتھوں پہ تڑپنے لگا بے شیر
زخمی تھا پدر شکل پسر خوں میں بھری تھی
بازو میں تو پیکان تھا گردن میں سری تھی
بیٹے کے لہو سے تو بھرے تھے شہ والا تر خون میں تھا باپ کے وہ ہنسلیوں والا
تیر اسکے گلے سے جو شہ دیں نے نکالا منہ سے عوض شیر لہو بچہ نے ڈالا
شہ رونے لگے چہرے سے چہرے کو ملا کر
وہ سرد ہوا ترگسی آنکھوں کو پھرا کر

تاثیر بیان

لاش اسکی دکھا کر شہ مظلوم پکارے فضہ تو بس اب جا علی اصغر بھی سدھارے
کہہ دیجیو بانو سے کہ پیاسے گئے مارے ہم ساتھ ہیں اب انکے یہ ہیں ساتھ ہمارے
تا حشر نہ چونکیں گے نہ اب روئینگے اصغر
آرام سے پہلو میں مرے سوئینگے اصغر

فضہ چلی جاتی ہے ۔ آپ تلوار سے ایک چھوٹی سی لحد کھود کر حضرت علی اصغر کی چاند سی تصویر اس میں رکھ دیتے ہیں ۔ لکھتے ہیں کہ اسوقت

فرماتے تھے کیونکر علی اصغر تجھے پاؤں اے چاند تجھے خاک میں کسطرح ملاؤں
ماں تیری جو مانگے تو کہاں ڈھونڈنے جاؤں اسوقت کلیجہ کا کسے حال سناؤں

ہاتھوں سے مری خاک گرائی نہیں جاتی
صورت تری مٹی میں چھپائی نہیں جاتی
یہ کہکے وہیں خاک جو اس چاند پہ ڈالی فرمایا کہ مرجائے گی ماں پالنے والی
روتے ہوئے تربت سے اٹھے سرور عالی خوں بہتا تھا بازو سے پہ تلوار سنبھالی
پڑتی تھی نظر فوج سے شمشیر کی صورت
روباہوں پہ غصہ میں جھکے شیر کی صورت
یاں لشکر اعدا میں در آئے شہ عالی لاشوں سے بھرا دشت صفیں ہو گئیں خالی
تلوار پڑی جسپہ نظر شیر نے ڈالی برچھی کا نشانہ تھا کماں جسنے سنبھالی
نیزے کے ہلانے میں جو رستم سے نہ کم تھا
اک ہاتھ میں بس ہاتھ بھی نیزہ بھی قلم تھا
ہر ضرب میں چورنگ تھے سوسو ستم ایجاد کٹتے تھے مع کاسۂ سر مغفر فولاد
چار آئینوں میں بھی نہ رہے امن سے اجساد تھی سیل فنا خانۂ تن کر دئے برباد
ضرب اسکی کسی سے نہ رکی فوج کے دلمیں
اتری جو زرہ کٹ کے پھنسا دام اجل میں

زور بیان

اس معرکہ میں تیغ بہادر کو ملا اوج ہر فرد کو اس صاحب جوہر نے کیا زوج
تھا قلزم خوں جوش پہ ڈوبی ہوئی تھی فوج آتے تھے نظر دست بریدہ صفت موج
خوں میں تو بدن غرق تھے بیدادگروں کے
پہنے تھے حبابوں کی طرح خود سروں کے

وار اسکا کوئی روک نہ سکتا تھا سپر پر چمکی تو چھری پھر گئی دشمن کے جگر پر
گہ فرق پہ گہ سینہ پہ اور گاہ کمر پر بس قطع یہ جامہ تھا اسی تیغ دو سر پر
جسپر گئی بے دو کئے پھرتے نہیں دیکھا
بجلی کو بھی اسطرح سے گرتے نہیں دیکھا

اتنے میں نماز ظہر کا وقت ہو جاتا ہے۔ آپ لڑائی سے ہاتھ روک لیتے ہیں۔ گھوڑے سے اترے ہی تھے کہ دشمن نے موقع پاکر آپ کو شہید کر دیا۔

جسوقت یہ گھوڑے سے اتر بیٹھے زمیں پر سب ٹوٹ پڑے دوش محمد کے مکیں پر
پڑنے لگیں تلواریں سرسرور دیں پر چھاتی پہ لگیں برچھیاں اور تیر جبیں پر
سجدے کو سر پاک جھکا طاعت حق میں
خورشید زمیں ڈوب گیا خونکی شفق میں

حضرت امام حسینؓ کی میدان کارزار میں آمد آمد ہے۔

بڑھکر نقیب فوج یہ کہتے تھے دمبدم ہاں ای بہادرو نہ ہٹے ایک کا قدم
ابن معاویہ کے نمک کی تمہیں قسم تیغوں سے سرو باغ علیؑ کو کرو قلم
شیر خدا کے شیر کے آنے کا وقت ہے
ہاں غازیو یہ جان لڑانے کا وقت ہے
ناگہ سوار نیزوں کو دینے لگے نکال چمکی اُبی ہوئیں صف اعدا میں برچھیاں

چلّوں سے تیر ملگئے کڑکی ہر اک کماں غل تھا نشان دین کو کرو آج بے نشاں
کیچو نہ پاس یہ کہ امام زمانہ ہے
ہاں اے کماں کشو یہ تمہارا نشانہ ہے

یہ ذکر تھا کہ اتنے میں آئے شہ امم طبل وغا پہ چوب پڑی کھل گئے علم
سردار فوج شام ہٹانے لگے قدم رُخ پھر گئے صفونکے کسی میں رہا نہ دم
اللہ رے رعب فوج ستم تھر تھرا گئی
چہرے پہ روسیاہوں کے زردی سی چھا گئی

چشمہ خدا کے نور کا ہی چشم حق پرست روز ازل سے ہے مئے عشق احدسی مست
ہے گرد اسلئے صف مژگاں کا بندوبست آئینہ ہائے نور کو پہنچے نہ تا شکست
بچھڑے ہیں عین رنج میں چشم وچراغ سے
مردم سیاہ پوش ہیں اکبر کے داغ سے

ہے یوں زرہ میں جسم امام فلک سریر ابر تنک میں جوں نظر آئے مہ منیر
حلقوں میں دیکھو جلوہ اندام بینظیر سونے کے ہے ورق پہ رقم جوشن کبیر
ہے بمثال موج زرہ اپنے کام میں
لائی نہنگ بحر شجاعت کو دام میں

یوں ہاتھ میں لئے ہی کماں فاطمہ کالال گویا کہ آفتاب کے پنجہ میں ہے ہلال
ترکش کے تیر چلتے ہیں پیک قضا کی چال بچنا ہی مرغ روح عدو کے لئے محال
دل دوز اہل شام دم صفدری تھی یہ
حکم خدا کی طرح خطا سے بری تھی یہ

اس شان سے کھڑے تھے امام ذوالاحترام سرداربیواس تھے حیران فوج شام
کہتا تھا ابن سعد تعجب کا ہے مقام تنہا حسینؑ آئے ہیں لشکر ہوا تمام

اسپر مقابلہ کو نکلتا نہیں کوئی
حربے تو سیکڑوں ہیں پہ چلتا نہیں کوئی

ابن سعد فوج کو جاگیر و خطاب کا لالچ دیکر اسے جنگ پر آمادہ کرتا ہے۔ لکھا ہے۔

پہلے بڑھے دو چار سواران نیزہ باز تھا جن میں ایک ایک کو اپنے ہنر پہ ناز
یوں آئے تیغ تول کے شاہنشہ حجاز جسطرح سے شکار پہ گرتا ہے شاہباز

اللہ کا غضب تھا چمک ذوالفقار کی
فرصت ملی نہ ایک کو نیزے کے وار کی

معرکہ آرائی

تھے پست ایکدم میں جوانان سربلند ہر ضرب میں تھی تیغ علی کی برش دوچند
مڑ تک گئی وہ جسکے ہوا دو مع سمند جوں نیشکر قلم ہوئے نیزونکے بند بند

سر تھا اگر تو نیزۂ بیداد گر نہ تھا
نیزہ کسی کے ہاتھ میں گر تھا تو سر نہ تھا

مغرور نیزہ بازی پہ تھا اک عدوئے شاہ آیا وہ اس غضب سے کہ اللہ کی پناہ
نیزے کی تھی سناں کہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ گویا زباں نکالے تھا اک افعی سیاہ

مانند عمرو معرکہ آرائے رزم تھا
گھوڑے سے شاہ دیں کو گرادوں یہ عزم تھا

نیزے کا ہاتھ صورت رستم نکال کر آگے بڑھا سمند کو کاوے پہ ڈال کر
آواز دی اجل نے کہ فکر مآل کر للکارا یہ شاہ تیغ علی کو سنبھال کر
او خوں گرفتہ شیر سے ہم لڑنیوالے ہیں
نیزے یہاں کی فوج کے سب دیکھے بھالے ہیں

پھرتی سے اس لعیں نے کیا اک غضب کا وار سمجھے یہ سب کہ ہو گیا چھاتی کے وار پار
شہ نے انی کو تھام کے چٹکی میں استوار دکھلایا زور دست شہنشاہ ذوالفقار
ساعد سے ہاتھ ہاتھ سے نیزہ نکل گیا
گھٹنے زمیں پہ ٹیک کے گھوڑا سنبھل گیا

نیزہ اٹھا کے اسپ پہ چلے شاہ بحر و بر فرمایا دیکھ او ستم آرا مرا ہنر
تب اپنا ہاتھ چہرے پہ اسنے کیا سپر یاں شانہ تک انی نے کیا ہاتھ سے گذر
بیکار دست ظلم پرست لعین ہوا
نیزہ تو ہاتھ میں گیا ہاتھ آستیں ہوا

مولا کماں کشوں پہ چلے پھر پے ستیز دشت نبرد ہو گیا صحرائے رستخیز
گرنے لگی چمک کے جو شمشیر شعلہ ریز گوشوں میں کچھ نہاں ہوئے کچھ کر گئے گریز
جو تھم گیا وہ تیر اجل کا نشانہ تھا
ترکش تھا نہ کماں تھی نہ بازو نہ شانہ تھا

پریشانی شکست

حلقے میں موت کے قدر انداز گھر گئے چلے بھی کشمکش میں کمانوں سے گر گئے
جو لیس تھے لڑائی پہ رخ انکے پھر گئے دریا میں گر کے پیر گئے وہ جو تر گئے

سارے خطا شعاروں کو جانوں کی فکر تھی
تیروں کا ہوش تھا نہ کمانوں کی فکر تھی
بھاگے جو وہ تو تیغ زنوں سے ہوئی دوچار — در آئے زرہ پوشوں میں چمکا کے راہوار
چلنے لگیں ادھر سے بھی تیغیں کئی ہزار — تا آسماں بلند ہوا شور گیر و دار
منہ پر سپر امام دو عالم نہ لیتے تھے
اک تیغ سے جواب ہزاروں کو دیتے تھے

زورِ بیان

آہن میں غرق تھے جو دلیرانِ صف شکن — خود انکے تھے سروں سے جدا اور سروں سے تن
زرہیں بھی چاک چاک ہوئیں صورت کفن — چار آئینہ بھی کٹ گئے ٹکڑے ہوئے بدن
گر گر کے مرکبوں سے عدو ہاتھ ملتے تھے
آنسو لہو کے چشم زرہ سے نکلتے تھے

اعدا بدحواس ہو کر رحم کے لئے ہمشکل مصطفےٰ کی جوانی کا واسطہ دیتے ہیں۔

تاثیر و درد

اکبر کا عین جنگ میں شہ نے سنا جو نام — تھرا کے بس جگر کو لیا دست چپ سے تھام
اعدا سے تھرتھرا کے یہ کرنے لگے کلام — اکبر کہاں ہیں تم تو انہیں کر چکے تمام
سینہ میں انکے غم سے جگر چاک چاک ہے
وہ بھی ہیں خاک ان کی جوانی بھی خاک ہے
جنکی دوہائی دیتے ہو وہ ہیں لہو میں لال — انکو نہ ماں کی فکر نہ ہے باپ کا خیال

ہم کو انہیں کے داغ سے ہے زندگی محال وہ ہوتے تو یہ کا ہے کو ہوتا ہمارا حال
بیجان کیا انہیں تمہیں لوگوں نے جان سے
اٹھارھویں برس ہیں سدھارے جہان سے

آؤ انہیں کی لاش کی کھاتا ہوں ہیں قسم ماروں نہ دم جو لاکھ لگیں نیزۂ ستم
چھد جائے جسم تیروں سے گر سر سے تا قدم کیا دخل ہے جو تیغ دو دم کو کروں علم
تھا غیظ تم پہ مجھکو سو وہ وقت ٹل گیا
اکبر کا نام سنکے کلیجہ نکل گیا

بھولا ہوا تھا جنگ میں کچھ اسکا تھا نہ دھیان یاد آیا اب کہ مر گیا بیٹا مرا جوان
ہے ہے وہ لمبی زلفیں وہ رخ وہ شکوہ و شان وہ برگ گل سے ہونٹ وہ سوکھی ہوئی زبان
دکھلا دو پھر مجھے مرے دلبر کی لاش کو
رو لوں گلے لگا کے ہیں اکبر کی لاش کو

یہ کہکے باگ چھوڑ دی اور روک لی حسام اعدا کو دی صدا کہ لڑائی ہوئی تمام
عیب و غا تمہیں ہیں ہے اے ساکنانِ شام پھر جائے قول سے یہ نہیں شیوۂ امام
طاقت پہ حلم سبط پیمبر بھی دیکھ لو
دیکھا غضب تو صبر کے جوہر بھی دیکھ لو

یہ سنکے شہ پہ ٹوٹ پڑی تیغ زن تمام سینہ کو تاکنے لگے ناوک فگن تمام
زخموں سے چور ہو گیا شہ کا بدن تمام جوں گل لہو ہیں ڈوب گیا پیرہن تمام
بھاگے ہوئے سوار بھی رستے سے پھر پڑے
یا تنگ آ کے زخم کہ گھوڑے سے گر پڑے

میر انیس

اے نظم سخن نظم ثریا کو خجل کر　　اے گوہر مضموں در یکتا کو خجل کر
اے نالۂ دل بلبل شیدا کو خجل کر　　اے برق ولا طور تجلّی کو خجل کر
مدّاح کا دل نور کا مسکن نظر آئے
کاغذ کا ورق وادی ایمن نظر آئے

اغلاق و ثقالت سے مناسب ہے سخن صاف　　ہر لفظ ہو پاک اور صفتِ دُرِّ عدن صاف
ناظر کو نظر آتا ہے خود حُسنِ حسن صاف　　گلگشت کے قابل نہیں گر ہو نہ چمن صاف
ہو جنمیں خلش ہے انہیں چھانٹے نہیں رہتے
گلشن میں ہمارے کبھی کانٹے نہیں رہتے

پر حیف زمانہ کا یہ کیا رنگ ہے یا رب　　اس دور میں بیقدر ہوئے علم و ہنر سب
گوہر کے نہ طالب ہیں نہ جوہر سے ہے مطلب　　حیرت ہے کہ وہ بات سخن کی بھی نہیں اب
گویائی کا کچھ لطف ہے گویا نہیں ملتا
ڈھونڈے سے بھی اب نظم کا جویا نہیں ملتا

سلمائے سخن کا کوئی شیدا نہیں بالکل　　برباد ہے خوبانِ مضامیں کا تجمّل
گلشن تر و تازہ ہے پہ مائل نہیں بلبل　　دولت ہے یہ بیقدر ہے اب مثل زر گل

لعل جگری جو تھے وہ بیرنگ ہوئے ہیں
سمجھے تھے جواہر جنہیں وہ سنگ ہوئے ہیں
آمادۂ گلگشتِ گلستاں نہیں کوئی مشتاقِ شمیم گل و ریحاں نہیں کوئی
ہیں یہ نہیں کہتا کہ سخنداں نہیں کوئی ہاں جنسِ گراں قدر کا خواہاں نہیں کوئی
معشوق کی وہ گرمی بازار نہیں ہے
یوسف تو ہے موجود خریدار نہیں ہے
پیاسے رہے دریا پہ مگر دم نہیں مارا بچھڑا گئے سب خویش و پسر دم نہیں مارا
سرکار لٹی تین پہر دم نہیں مارا یوں صاف ہوا انیغوں سے گھر دم نہیں مارا
سب لبپہ گوارا کیا اس جبر کے صدقے
سر دیدیا سجدے میں تیرے صبر کے صدقے

حضرت امام کے صبر و تسلیم کا یہ روشن کارنامہ اسی لئے قابل اشاعت ہے کہ اس اسوۂ حسنہ کی تقلید کیجائے۔ مگر مرثیہ نگار اس مشکل کو اس لطیف منطق سے حل کر دیتا ہے کہ

"تکلیف ہے انساں پہ علیٰ قدر مراتب
تم اسکے لئے روؤ اگر رائے ہے صائب

مطلب یہ ہے کہ وہ کیرکٹر تو انہیں کے لئے تھا۔ ہمارے لئے صرف گریہ و زاری کافی ہے۔ چنانچہ آگے چلکر گوہر اشک کی گراں مایگی کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ اگر یہ بھی میسر نہیں تو ؎
آنسو بھی نہ جاری ہوں تو غم اسکا نہ کھاؤ

آمادہ ہو اور شکل ہی رونے کی بناؤ

اسطرح ایک مقدّس اور اعلیٰ شخصیت ۔ ایک دشوار مثال قائم کرکے لوگوں کے لئے تقلید و اتباع کی مشکلات پیدا کر دیتی ہے۔
اسکے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ تن تنہا میدان کربلا میں لشکر اعدا کے سامنے کھڑے ہیں۔ اگرچہ اسوقت آپ کو

سو دکھ ہیں مگر شکوۂ اعدا نہیں کرتے تکلیف میں راحت کی تمنّا نہیں کرتے
پانی بھی طلب سیدّ والا نہیں کرتے رغبت سی نظر جانب دریا نہیں کرتے
صدمہ ہی کہ عباس نے یاں ظلم سہا ہے
سقّائے سکینہ کا یہیں خون بہا ہے

درگاہ خدا میں ہے مناجات یہ ہر دم سو جاں سے تیری راہ میں قرباں ہوں تو ہی کم
صدمہ نہ عزیزوں کا نہ اولاد کا کچھ غم جس امر میں خوشنود ہو تو ہے وہ مقدم
مضطر نہیں گو دکھ میں گرفتار ہوں مولا
جو کچھ ہو تیرے عشق میں سرشار ہوں مولا

صبر و استعانت

میں یہ نہیں طالب مجھے اعدا پہ ظفر دے سب مشکلیں آسان ہیں تو صبر اگر دے
تکلیف پہ تکلیف جو ہر بانی شر دے مولا بشریت مجھے بیتاب نہ کر دے
سر تن سے کٹے خون بہے خاک شفا پر
لیکن ہوں قدم جادۂ تسلیم و رضا پر

جب تن پہ چلیں تیغ و تبر تجھکو نہ بھولوں تیروں سے چھدے قلب و جگر تجھکو نہ بھولوں

بیہوشی میں بھی وقت سفر تجھکو نہ بھولوں دنیا ہو فراموش مگر تجھکو نہ بھولوں
بچّونکی نہ گھر کی نہ سروتن کی خبر ہو
دل ہو تری جانب تری رحمت پہ نظر ہو

یہ کہکر آپ فوج اشقیا پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ لشکر شام میں تلاطم برپا ہو جاتا ہے۔

غل تھا کہ تبر پھینکدو بھالوں کو ہٹاؤ نزدیک سے چار آئینہ والوں کو ہٹاؤ
تا دُور زرہ پوش رسالوں کو ہٹاؤ ہے سر پہ بلا آہنی ڈھالوں کو ہٹاؤ
میدان میں تلوار ہی پھرتی ہے بجلی
سنتے ہیں کہ لوہے پہ بہت گرتی ہے بجلی

اک وار جدہر چلتا تھا تیغ دو زباں کا بل دم میں نکل جاتا تھا ترچھا ہو کہ بانکا
جانکاہ ہر اک زخم تھا اس آفت جاں کا مرہم کوئی نافع جسے ہونا تھا نہ ٹانکا
تاثیر غضب تھی کہ رگیں جلتی تھیں تن میں
ہو جاتا تھا زخمی کا لہو آگ بدن میں

ہاتھ اڑ گیا گر تیغ اٹھا کر کوئی آیا در کھل گیا سینے کا جو صفدر کوئی آیا
سر دُور ہوا پاس جو خود سر کوئی آیا دو تھا جو تہ تیغ دو پیکر کوئی آیا
جو عازم پیکار تھا بیکار ہوا وہ
جو اس سے دوچار آ گئے ہوا چار ہوا وہ

آپ کے تیز رفتار گھوڑے کی تعریف اسطرح کرتے ہیں۔

شوخی کا چلن وقت تگاپو نہیں جاتا یوں چوکڑی بھرتا ہوا آہو نہیں جاتا

کس سمت سپکتر صفت بو نہیں جاتا — جاتا ہے پہ گیتی کو قدم چھو نہیں جاتا

حیرت سے نظر کرتے ہیں شاہیں بھی ہما بھی

سناٹے میں آجاتی ہے تھم تھم کے ہوا بھی

جب وار کیا ضربت حیدر نظر آئی — پامال غضب فوج ستمگر نظر آئی

اس صف پہ چلے جب تو زمیں پر نظر آئی — بڑھنا تھا کہ لاش علی اکبر نظر آئی

ٹکڑے جگر بانوئے دلگیر کو پایا

مٹی میں مٹائی ہوئی تصویر کو پایا

دل خون ہوا مظلومی پہ اس لخت جاں کی — بیتاب ہوئی روح امام دو جہاں کی

صابر نے عجب درد سے فریاد و فغاں کی — جب قلب تو قابو نہ رہا جنگ کہاں کی

تھرایا بدن رہ گیا دم سینہ میں گھٹ کر

نزدیک تھا تلوار گرے ہاتھ سے چھٹ کر

یہ دیکھتے ہی شمر نے جلادوں کو پھیرا — کل فوج بڑھی ہو گیا جنگل میں اندھیرا

بستر نہ کسی کا نظر آتا تھا نہ ڈیرا — بدلی کی طرح فاطمہؑ کے چاند کو گھیرا

ہونے لگی بیداد ولی ابن ولی پر

بارش ہوئی تیروں کی حسینؑ ابن علیؑ پر

ناگاہ جبیں ہو گئی تلوار سے زخمی — اور ساتھ ہی سر گرز گراںبار سے زخمی

سب جسم ہوا تیروں کی بوچھار سے زخمی — سینہ بھی ہوا نیزۂ خونخوار سے زخمی

اوبلا جو لہو ضعف سے بیدم ہوئے شبیرؑ

اک بار علیؑ اکبر کہا اور ختم ہوئے شبیرؑ

ختم ہوتے ہی جرأت ہوئی اعدا کی زیادہ سب ٹوٹ پڑے بند ہوا امن کا جادہ
محکم ہوا قتل شہِ بیکس کا ارادہ، رنگین ہوا سب خون سے پیراہن سادہ
ہر نی پہ جھکا سر جو امام دوسرا کا
عمامہ گرا خاک پہ محبوب خدا کا

حربوں سے ہوا جا بجا تن چور سراسر فریاد کی مہلت بھی نہ دیتے تھے ستمگر
منہ پیاس میں کھولا تو برسنے لگے پتھر خالق کو پکارا تو پڑی تیغ دہن پر
دشمن نظر آتے تھے جدھر تکتے تھے حضرت
تلواروں کے ہولوں سے نہ تھم سکتے تھے حضرت

اک نیزۂ سر تیز نے پہلو کو جو توڑا بسمل ہوئے منہ قلب کی طاقت نے بھی موڑا
بس جھوم کے قدموں کو رکابوں نے بھی چھوڑا شبیرؑ گرے خاک پہ کوتل ہوا گھوڑا
لخت جو لہو کے تھے جمے رہ گئے زیں پر
اسوار تڑپنے لگا تفتیدہ زمیں پر

یہ حالت دیکھکر حضرت سجاد بیتاب ہو جاتے ہیں۔ اور لشکرِ غنیم پر سر فروشانہ حملہ کرنے والے ہیں۔ مگر حضرت امام حسینؑ شفقتِ پدری کو کام فرما کر آپ کو روک دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ انسان کو تکالیف میں ثابت قدم اور مستقل المزاج رہنا چاہیئے۔

صابر ہیں جو آلام کو کیا جانتے ہیں وہ تلخی کو علالت کی مزا جانتے ہیں وہ
غم کھانے کو رغبت سے غذا جانتے ہیں وہ زنداں جو ملے بیتِ شفا جانتے ہیں وہ

آزادی ہے جتنے ہوں گرفتار بلا ہیں
راحت ہے جو کانٹوں پہ چلیں راہ خدا ہیں

جاتا ہے سر کٹانے کو شاہنشہ زمن رخصت بہار کی ہے اُجڑتا ہے اب چمن
لختِ جگر کے غم سے جو ہے صدمہ و محن ہے گل کیطرح جسم میں صد چاک پیرہن
داغ الم ہزار دل ناتواں میں ہیں
لب برگِ گل سے خشک ہیں کانٹے زباں میں ہیں

اثر انگیز

لٹتا ہے آج صبح سے گلزار مصطفےٰ نہ گل رہے نہ سرو نہ پودا کوئی بچا
کلیاں وہ ٹوٹیں منہ بھی نہ جنکے ہوئے تھے وا سوکھیں وہ کونپلیں نہ لگی تھی جنہیں ہوا
ماتم بپا ہے خیمۂ آلِ رسول میں
بس اک یہی ہے پھول ریاض بتولؑ میں

سرسبز باغِ دیں شہ دیں کے کرم سے ہے امن و اماں جہاں میں امام امم سے ہے
گیتی کو یہ ثبات انہیں کے قدم سے ہے روشن کئی بزرگوں کا نام ایک دم سے ہے
بیجاں اگر یہ لختِ دل فاطمہؑ ہوا
بس پنجتن جہاں سے اٹھے خاتمہ ہوا

توبہ عجب یہ روز مصیبت مآل ہے عالم سے دمبدم برکت کا زوال ہے
فوجِ عدو میں شور جدال و قتال ہے افسوس اب حسینؑ کا بچنا محال ہے

ڈوبیگا بحر خوں میں سفینہ نجات کا
الٹے کہیں نہ آج ورق کائنات کا

درد و غم و ملال سے خالی کوئی نہیں ابن علی سا سرور عالی کوئی نہیں،
مولا کا بیکسی میں موالی کوئی نہیں بعد اس ولی کے خلق کا والی کوئی نہیں

ہے دور ظلم جب نہ امام زماں رہا
خورشید چھپ گیا تو اجالا کہاں رہا

دریا اگر ہو خشک تو کیونکر جہاں ہو پاک گر ابر تر نہ ہو تو زراعت ہو سبز خاک
ہیں مقتدی تباہ جو ہو مقتدا ہلاک آیا خدا کا قہر جو قرآں ہو چاک چاک

محشر ہے گر سپہر بریں کو گرا دیا
حرمت مٹی جہاں کی جو کعبہ کو ڈھا دیا

بزم عزا ہے خیمۂ زنگاریٔ امام تصویر غم بنی ہوئی ہیں بیبیاں تمام
جانکاہ ہے جو رخصتِ شاہ فلک مقام نالے کبھی ہیں اور کبھی یاس کے کلام

حسرت سے دیکھتے ہیں شہ مشرقین کو
مضطر ہیں سب کہ روک لیں کیونکر حسینؑ کو

لٹتا ہے راج بانوئے غمخوار کیا کریں بھائی سے چھٹ کے زینب ناچار کیا کریں
سیدانیاں ہیں دکھ میں گرفتار کیا کریں خود جاں بلب مسیح ہے بیمار کیا کریں

اسوقت اہل بیت سے
شہ کہتے ہیں کہ شکر کرو غم نہ چاہیئے خاصانِ حق کا دکھ میں یہ عالم نہ چاہیئے
بہتر یہ ہے کہ چشم بھی پرنم نہ چاہیئے آج امتحانِ صبر ہے ماتم نہ چاہیئے

ہم دیں خدا کے عشق ہیں بسر اشتیاق سے
تڑپو نہ تم بھی صدمۂ تیغ فراق سے

فرما کے یہ بڑھے جو شہ آسماں جناب ہمشیر نالہ کش ہوئی دل کو رہی نہ تاب
دیکھا بہن کا حال تو آنکھیں ہوئیں پرآب تھم کر کہا تمہیں نہیں لازم یہ اضطراب
روکوں کسے کسے پے صبر و رضا کہوں
مضطر جو صابرہ ہو تو اوروں کو کیا کہوں

حیات بے ثبات

ہر شخص کو جہاں سے گذرنا ہے اکیدن بحر فنا سے پار اترنا ہے اکیدن
منزل یہ وہ ہے طے جسے کرنا ہے اکیدن گر عمر نوح بھی ہو تو مرنا ہے اکیدن
عاقل وہ ہے خیال جو رکھیگا موت کا
جو نفس ہے وہ ذائقہ چکھے گا موت کا

فرق آئے آج میری شہادت میں دخل کیا مٹجائے وہ لکھا ہے جو قسمت میں دخل کیا
حاضر ہے سر خدا کی امانت میں دخل کیا عاجز بشر ہے اسکی مشیت میں دخل کیا
قسمت سے اپنا زور چلے یہ محال ہے
زینبؑ اجل کا وقت ٹلے یہ محال ہے

ہر وہ حیات اجل سے ہی مجبور کیا کریں جاری ازل سے ہے یہی دستور کیا کریں
دم مارنے کا یاں نہیں مقدور کیا کریں ہونا ہے وہ جو ہے اسے منظور کیا کریں
چھٹکر نبی سے عمر کٹی اشک و آہ میں
مجبور تھے علی بھی رضائے الٰہ میں

فانی ہیں سب کسی کی زمانہ میں آس کیا
ہنگام بیکسی سخن درد و یاس کیا
بھولے جو حق کے فضل کو وہ حق شناس کیا
ہم سر پہ گر نہ ہونگے تو اندوہ و یاس کیا
وارث نہ ہو تو فکر و تردد کی جا نہیں
حامی کسی کا کوئی خدا کے سوا نہیں

زینب جہان میں یونہی رہتا ہے انقلاب
اک حال پر رہے کوئی یہ ہے خیال و خواب
روشن کبھی ہے گل کبھی قندیل آفتاب
طفلی کبھی ہے شیب کبھی ہے کبھی شباب
رنج و الم ہے راحت و عیش و سرور ہے
انجام کار خاک میں ملنا ضرور ہے

نیرنگی عالم

خالی کبھی چمن ہے گلوں سے بھرا کبھی
نخل مراد خشک کبھی ہے ہرا کبھی
حاصل ہے غم بہت جو خوشی ہے ذرا کبھی
عشرت کدہ ہے گھر کبھی ماتم سرا کبھی
عبرت کی جا ہے شادی قاسم میں کیا ہوا
نوبت خوشی کی آتے ہی ماتم بپا ہوا

جانبر وہ کیا ہو جس پہ ستم پر ہوں یوں ستم
دو بھانجے چھٹے کہ چلا خنجر دو دم
ٹکڑے جگر کو کر گیا ابن حسن کا غم
ہاتھوں کا زور لے گئے عباس ذی حشم
اب کیا ہے زندگی کے جو دن تھے گذر چکے
اکبر کی لاش دیکھتے ہی ہم تو مر چکے

واں سے ہٹے یہ کہہ کے شہنشاہ تاجدار
روئے لگا لگا کے گلے سب کو بار بار
پہلو میں تھی جو بالی سکینہ جگر فگار
آغوش میں لیا اُسے جھک کر بحال زار

رو رو کے غش ہوئی جو وہ سرور کی گود میں
اک آہ کر کے دیدیا خواہر کی گود میں

ڈیوڑھی تک آچکی ہیں شہ آسماں جناب پردے سے اب نکلتی ہے تصویر بوتراب
آنکھیں خدا کے نور کو دیکھینگی بے حجاب دم میں طلوع ہوتا ہی مشرق سے آفتاب
ہوگا ظہور قدرت رب جلیل کا
کعبے سے باہر آتا ہی وارث خلیل کا

آیا فرس سوار ہوا مصطفےٰ کا لال غل ہر طرف اٹھا کہ عدو تیری پائمال
پایا جو قرب پائے شہنشاہ باکمال بالیدہ ہر رکاب ہوئی صورت ہلال
بڑھکر جو عکس جلوۂ رخ تا فلک گیا
گردوں کے بخت کا بھی ستارا چمک گیا

رزمیہ

مولا بصد شکوہ جو تشریف رن میں لائے ڈنکا ہوا بجے عربی باجے تیر آئے
جنبش ہوئی صفوں کو نقیبوں نے دل بڑھائے گھوڑے بھی اپنے کان کھڑے کر کے ہنہنائے
گیتی ہلی غبار اٹھا پہلواں بڑھے
آندھی سیاہ آگئی کالے نشاں بڑھے

اڈا سپاہ شام کے بادل کا دل پہ دل شکلیں مہیب گرد پہ گرد اور بل پہ پل
تیغ و سناں کی نوک پہ تھی نوک پھل پہ پھل کھایا غضب میں شاہ کی زلفوں نے بل پہ بل
آنکھیں ہوئیں جو سرخ تو گلگوں عذار بھی
ابرو چڑھے اگلنے لگی ذوالفقار بھی

آپ لشکر کے روبرو اسطرح رجز خوانی کرتے ہیں۔

آگاہ ہو کہ اکرم و امجد ہی میرا جد — سارے پیمبروں کا سرآمد ہی میرا جد
زیب سر پہ چرخ زبرجد ہے میرا جد — کافی ہی یہ شرف کہ محمدؐ ہے میرا جد

رونق ہوئی قدم سے زمیں آسمان کو
جسکے لیئے خدا نے سنوارا جہان کو

ہر رنگ کا دیا ہمیں خالق نے اختیار — کہدیں تو نخل خشک میں پیدا ہو برگ و بار
ہو جائے خارزار ابھی رشکِ لالہ زار — سرسبز ہم کریں تو خزاں خود بنے بہار

ہم کاہ کو وقار جو بخشیں تو کوہ ہو
رفعت جو دیں زمیں کو تو گردوں شکوہ ہو

تم میں سے کوئی میرا آشنا سا نہیں اگر — بھیجو تو سامنے پسر سعد ہے کدہر
آیا شقی تو کہنے لگے شاہ بحر و بر — یہ کیا ستم ہے او ستم آرا خدا سے ڈر

ہے حکم قتل دلبر زہرا کے واسطے
دانستہ دین کھوتا ہی دنیا کیواسطے

روح نبی پہ ہی ستم اور دیکھتا ہی تو — مہماں ہیں کوئی دم کے ہم اور دیکھتا ہی تو
چلتے ہیں تیر دمبدم اور دیکھتا ہی تو — تلواریں ہو چکیں علم اور دیکھتا ہی تو

رُتبے کو اور کوئی اگر جانتا نہیں
بیدرد تو بھی کیا مجھے پہچانتا نہیں

روز جزا کی فکر نہ کچھ خوف ذوالجلال — کس خواب میں ہے چونک کدہر ہی ترا خیال
سمجھا ہی خون ناحق آل نبی حلال — ایسا اجل کو بھول گیا کیوں یہ بوں خصال

دو دن کی زندگی پہ یہ نخوت روا نہیں
غافل کسی کو دار فنا میں بقا نہیں
پیر و جوان و کودک و نافہم و ہوشیار بدکیش و خوش عقیدت و گمنام و نامدار
محکوم و حکمراں و قوی و نحیف و زار شاہ و گدا و ظالم و مظلوم و بے دیار
مجبور ہو کے موت کے پنجے میں آئینگے
سب حسرتیں لئے ہوئے دنیا سے جائینگے
بولا شقی کہ اسمیں مجھے اختیار کیا محکوم ہوں ہیں حاکم اعلیٰ کی جو رضا
افسوس آپ خود ہوئے آفت میں مبتلا بیعت میں کیا ضرر تھا برائی تھی کیا بھلا
اب بھی قبول کیجے تو پھر خوف جاں نہیں
بے اسکے کوئی صورتِ امن و اماں نہیں

تلوار کی تعریف

سنتے ہی لی نیام سے حضرت نے ذوالفقار نکلی حجاب سے سحر حشر ایک بار
غرفے سے حور یا نکل آئی بصد وقار یا خود اجل کے دل کا ہوا راز آشکار
بیتاب خیرگی سے ہر اک خیرہ سر ہوا
غل تھا چراغ راہِ عدم جلوہ گر ہوا
لرزاں تھی جسم تیغ دو پیکر کے سامنے تصویر مرگ پھرتی تھی لشکر کے سامنے
بڑھتا نہ تھا کوئی شہ صفدر کے سامنے کون آئے شیر بیشۂ حیدر کے سامنے
جسپر گرے وہ خاک پہ تھرا کے گر پڑا
کوئی جھجک گیا کوئی گھبرا کے گر پڑا

وہ تیغ برق سے بھی سوا تھی جو شعلہ بار جنگل میں آگ لگنی تھی پرتو سے بار بار
پستی پہ آئی اوج سے جب ہو کے بیقرار شعلے کیطرح کانپ گئی ڈر سے اہل نار
جب کوند کر اٹھے تو شرارے عیاں ہوئے
ثابت ہوا ہلال سے تارے عیاں ہوئے

تھا دشت کیں میں تیغ دوپیکر کا اوج اوج دریائے قہر جوش دکھاتا تھا موج موج
دہشت سے نابکار گریزاں تھے فوج فوج تھا فرد فرد لشکر بیدیں میں زوج زوج
مطلب یہ تھا کہ تیغ شہ نامدار ہوں
دو دو کرونگی سب کو کہ میں ذوالفقار ہوں

برسا رہی تھی تیغ جو آتش ادہر ادہر سب تیرہ رو پڑے ہوئے تھی غش ادہر ادہر
روپوش تھے سپاہ کے سرکش ادہر ادہر پھرتا تھا ابن سعد مشوش ادہر اُدہر
کہتا تھا اب رکیں گے نہ شبیرؑ کیا کروں
ساماں ہیں سب شکست کے تدبیر کیا کروں

چھایا ہے سب پہ رعب امام فلک اساس خود رفتہ ہیں سوار پیادے ہیں بحواس
جنگ آزما جو لوگ ہیں انکو بھی ہی ہراس طرفہ مزا یہ ہی کہ نمک کا نہیں ہے پاس
بڑھکر پھکیت ٹھاٹھ بدلتا نہیں کوئی
اسوقت پہلوان بھی نکلتا نہیں کوئی

کرتا تھا ابن سعد جو یہ طعن کے کلام کھپ کھپ کے ہونٹ کاٹ رہی تھی جری تمام
صف سے نکل کھڑا ہوا اک پہلوان شام بیٹے سے کی صلاح کہ عزت کا ہی مقام

باتیں یہ کم نہیں تبر و تیغ و تیر سے
میں تو لڑوں گا ابن جناب امیرؑ سے

تیغ و سپر سنبھال کے کہنے لگا پسر — ہم بھی ہیں ساتھ آپکا یہ قصد ہی اگر
ہے سامنا علی کے پسر سی تو کیا ہی ڈر — مشہور ہی کہ دو ہوں تو بھاری ہی ایک پر
چوٹیں جو دو چلینگی تو خالی نہ جائینگی
دو آفتیں حسین سے ٹالی نہ جائینگی

دونو ابن سعد سے اپنا ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔

بولا وہ نابکار کہ شاباش و مرحبا — ایسی ہی عزم کرتے ہیں جرار و باوفا
لاؤ اگر سر پسر ضیغم خدا — دوں اسقدر کہ اٹھ نہ سکے نقرہ وطلا
گھوڑے وہ لو کہ برق بھی شرمائے دیکھ کر
تیغیں وہ ہوں کہ روح پھڑک جائے دیکھ کر

یہ سنکے وہ حریص ہوئے مستعد دوچند — تن تن کے آن بان سی نیزی کئے بلند
گھوڑوں کے تنگ کس کے کئے چست زیر بند — ناری ہوا کیطرح چلے چھیڑ کر سمند
دونو کو یہ ہوس کہ نہ اب دیر کیجئے
گل کر کے شمع فاطمہؑ اندھیر کیجئے

بیٹے سے باپ کہتا تھا رستے میں بار بار — جو میں بتاؤں فرق نہو اسمیں زینہار
جسوقت ہو مقابلۂ شاہ نامدار — میں جانب یمیں رہوں تو جانب یسار
ردّ و بدل رہی تو نہ گھبرائیو کہیں
ہاں دیکھ بدحواس نہو جائیو کہیں

وہ تشنہ کام بحرِ شجاعت کا ہے نہنگ ایسے جری سے گھات مناسب ہے وقتِ جنگ
کرنے لگے جو مجھ سے دغا چھیڑ کر سرنگ تو اپنا وار کیجیو پہلو سے بے درنگ
تیری طرف مڑینگے اگر کارزار کو
میں مار لونگا ابن شہ ذوالفقار کو

تننے ہوئے جو آئے وہ سرکش قریب شاہ حیدرؑ کے نورِ عین پہ ڈالی کڑی نگاہ
آنکھیں تو سرخ ہونٹ کبود اور رخ سیاہ شکلیں مہیب و زشت کہ اللہ کی پناہ
یہ برج آہنی تو وہ کوہ ثقیل تھا
اک کرگدن تھا ایک سیہ مست فیل تھا

سینے کشادہ گردنیں کوتاہ قد طویل بازو کرخت و سخت و سیہ مثل پائے فیل
ممتاز پہلوانوں میں پیش خدا ذلیل بشرے پکارتے تھے کہ ہیں قوم کے رذیل
قوت میں زبردست نریمان و گیو تھے
گھوڑوں پہ تھے شقی کہ پہاڑوں پہ دیو تھے

دونو گھوڑے اُڑاتے ہوئے امام عالیجاہ کے سامنے پہنچ جاتے ہیں۔ باپ مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

تعلّی

مجھ سا قوی ہے کون تہ چرخ لاجورد زور آوروں کی گرمیٔ بازار یاں ہے سرد
تن کر بڑھوں تو ڈر سے تہمتن کا رخ ہو زرد بہرام ہو تو گور جھنکادوں دم نبرد
ظاہر کروں جو قوت بازوئے سخت کو
پنجہ بڑھا کے جڑ سے اکھاڑوں درخت کو

ثابت قدم ہوں وقت وغا میں بسانِ کوہ   آ گے میری شکوہ کے ہے پست شان کوہ
روپوش میری خوف سے ہیں ساکنانِ کوہ   ماروں جو گرز در ہو نمایاں میان کوہ
گھوڑے سمیت گیبو کو نیزے میں کوچ لوں
دم بند ہو جو پیل دماں کو دبوچ لوں

آپ جواب میں فرماتے ہیں ۔

جھوٹی تعلیاں یہ حضور امام دیں   کاذب الٹ نہ جائے کہیں تختۂ زمیں
سر بر ہوئے ہیں شبیر سے روباہ بھی کہیں   خود اپنی زندگی سے ہے تو سیر او لعیں
گیدڑ کا یاں مقابلہ ہے نے اسد کا ہے
اب کوئی دم میں سامنے تختہ لحد کا ہے

سن سنکے اس کلام کو کٹ کٹ گیا وہ پیل   نیزے سنبھالے دونوں شریروں نے کھاکے بل
گھوڑے کو گشت دیکے بڑھا اک پلے حیدل   آمادۂ فریب ہوا ایک پُر دغل
تھی دھن اسے کہ مار لوں میں تشنہ کام کو
فکر اسکو یہ کہ پاؤں میں غافل امام کو

انیاں بتا کے کرتا تھا جو وار وہ شریر   کر دیتے تھے رد اسکو امام فلک سریر
ہر دم یہ طعنہ زن تھی کہ او سرکشوں کے پیر   ہاں کوئی طعن اٹھ نہ رہے وقت دار و گیر
ہونا نہ بند اپنے ہنر پر جو ناز ہے
ہم پر بھی کچھ کھلے کہ بڑا نیزہ باز ہے

یہ سن کے اور ہوتا تھا برہم وہ کینہ ور   پھرتی سے وار کرتا تھا جی توڑ توڑ کر
تھمتے تھے ایک جا نہ سناں صورت شرر   گہہ دل کے متصل تو کبھی تھی قریب سر

چاروں طرف جو شہ کی نظر پھرتی جاتی تھی
فولاد کی سپر پہ سناں گرتی جاتی تھی

وار اس شقی کے روک رہے تھے امام دیں — ثانی پہ تھی نظر صفت شیر خشمگیں
ہمت وغا میں ہارتا جاتا تھا یہ لعیں — مانے ہوئے تھا رعب غضنفر وہ اہل کیں
بیٹے سے باپ کہتا تھا کیوں رنگ زرد ہے
تو بھی شریک ہو کہ یہ وقت نبرد ہے

دکھلا کے نوک جھونک شریروں نے ایکبار — چاہا کہ پہلوؤں پہ برابر لگائیں وار
نزدیک تھا کہ دونوں سنانیں ہوں وار پار — پر واہ رے حواس شہنشاہ نامدار
یہ ہاتھ اٹھایا تیغ کو اسمیں علم کیا
چھینا اسے جھپٹ کے وہ نیزہ قلم کیا

ہو کر خفیف رہ گئے دونو وہ بے ہنر — بیٹے نے مڑ کے باپ کے چہرے پہ کی نظر
قبضہ پہ ہاتھ رکھکے یہ بولا وہ خیرہ سر — کیا دیکھتا ہے کھینچ لے شمشیر شعلہ ور
نیزے کی جنگ کچھ نہیں کیوں دردمند ہے
تلوار کی ہمیں تو لڑائی پسند ہے

دونوں نے لیں نیاموں سے تیغیں جو ایکبار — پہلے دوچار انسے ہوئی تن کے ذوالفقار
کس نخوت و غرور سے چمکا کے راہوار — کرنے لگی سفیہ علی الاتصال وار
پڑتی تھی کوئی تیغ نہ شاہ انام پر
رکتی تھی ایک ڈھال پہ اور اک حسام پر

دونو لڑتے لڑتے تھک جاتے ہیں - آخر باپ خجل ہو کر بیٹے سے کہتا ہے - کہ تو اپنا ہاتھ روک لے - میں اکیلا لڑونگا - یہ کہکر

تیغ جفا اٹھائی ستمگر نے ایک بار بیٹا بڑھا کچھ اور کہ دیکھوں یہ کارزار
دیکر جھکائیاں جو کیا اک کمر پہ وار پیچھے ہٹا سمٹ کے شہ دیں کا راہوار
کیا بن پڑی کہ قسمت ظالم بگڑ گئی
لخت جگر پہ باپ کی تلوار پڑ گئی

دو ہو کے خاک پر جو گرا وہ جفا پسند فق ہو گیا پدر یہ ہوا روح پر گزند
فرمایا شہ نے تب کہ عبث تو ہے دردمند دعویٰ ترا اسند ہوا رتبہ ہوا بلند
پہلے نہ کچھ کھلے تھے ہنر کارزار کے
اب رستم زماں ہوا بیٹے کو مار کے

بدمست کا ہرن جو ہوا نشۂ غرور اندھیر ہو گیا نہ رہا پتلیوں میں نور
دل پھک گیا یہ آتش غم کا ہوا وفور منہ سے دھواں نکلنے لگا صورت تنور
ہجر پسر میں جان کو کھونے لگا شقی
دانتوں سے ہاتھ کاٹ کے رونے لگا شقی

اسوقت آبدیدہ ہوئے سرور امم فرمایا دیکھ ہوتا ہے ایسا پسر کا غم
آگاہ تو ہے خوب جو ہم پہ ہوا ستم اپنے جواں کی لاش پہ رونے نہ پائے ہم
پیش نظر زمیں پہ تن پاش پاش ہے
بے دفن و بے کفن علی اکبر کی لاش ہے

اس نوجواں کے حسن سے واقف ہیں خاص و عام یوسف جمال نسترن اندام لالہ فام

ذی تربت دلیر بہادر فلک مقام آتے تھے لوگ جسکی زیارت کو صبح و شام
سرورِ رواں تھا گلشن زہرا کا پھول تھا
سب سے سوا یہ ہے کہ شبیہ رسولؐ تھا
انصاف گر ہے کچھ تو ہماری جگر کو دیکھ کر اپنی فکر مرچکا بیٹا ادھر کو دیکھ
جھک جھک کے بار بار نہ لاش پسر کو دیکھ کر صبر آ حواس میں تیغ و سپر کو دیکھ
دو چار ہاتھ لڑ کہ یہ وقتِ مصاف ہے
مُنہ موڑنا سپاہ گری کے خلاف ہے
دامن سے اشک پونچھ کے سنبھلا وہ خیرہ سر آیا بہ جبر جانب سلطان بحر و بر
چوٹیں کڑی کڑی جو لگائیں بکرّ و فر وار او چھے اوچھے کرنے لگے آپ بھی ادھر
غل تھا کہ ہاں یہ لطف ہی تیغ آزمائی کا
ردّ و بدل نہو تو مزا کیا لڑائی کا
چھن جانے سی جو تیغ کے رکھتا تھا دل میں خار یہ فکر تھی کہ چھین لوں حضرت سی ذوالفقار
ہر بار چل رہی تھے جو دونوں طرف کے وار آفت کی پھرتیاں تھیں قیامت کی گیرودار
تھا فرق اسطرف نہ قدم کے ثبات میں
دم بھر اُسے قرار نہ تھا داؤ گھات میں
اک چوٹ لیکے ڈھال پہ ہنگام امتحاں لپکایا ہاتھ جانب شمشیر جاں ستاں
واں حملۂ شغال اسد کی جھپٹ یہاں پکڑی کلائی شیر نے پنجے میں ناگہاں
جھٹکا دیا کہ دنگ ستمگار ہو گیا
شانے سے ہاتھ جھول کے بیکار ہو گیا

رعشہ بدن میں پڑ گیا اس بدخصال کے لی تیغ بائیں ہاتھ میں خفت کو ٹال کے
مولا بڑھے جو تیغ دو پیکر سنبھال کے شق ہو گئے دہل کے کلیجے جبال کے
جو پہلواں بڑھے تھے وہ پیچھے سرک گئے
شیرانِ دشت کان دبا کر دبک گئے

ظالم اڑا کے رخش کیا چاہتا تھا وار حضرت نے دی صدا کہ خبردار وہوشیار
سر پہ گری جو کوند کے حیدر کی ذوالفقار زیں پر ہوا دو نیم برابر وہ نابکار
فارس تو کیا فرس کی بھی تر کی تمام تھی
اللہ کیا شدید یہ ضرب امام تھی

دیکھا امیر فوج لعیں نے یہ حال جب کہنے لگا یہ شمر لعیں سے بصد غضب
کل فوج کو یہ حکم سنا دیر کر نہ اب چاروں طرف سے ٹوٹ پڑیں ایکبار سب
جنگی سوار چشم مروّت کو پھیر لیں
شیر خدا کے شیر کو نیزوں میں گھیر لیں

ناگہ پرے سے آگے بڑھا شمر نابکار زیں پر بلند ہو کے صدا دی یہ ایکبار
حکم امیر ہے کہ نہ وقفہ ہو زینہار ملکر تمام فوج کرے شاہ دیں پہ وار
جانیں لڑاؤ قتل شہ کربلائی میں
حربہ کسی کا اٹھ نہ رہے اس لڑائی میں

سنکر یہ حکم عام صفوں میں ہوا خروش دریا میں شور ہوتا ہے جسطرح وقت جوش
یکجا ہوئے سمٹ کے جوانان درعہ پوش
یوں دل بڑھے کہ اڑ گئے فوج ملخ کے ہوش

اسی سلسلہ میں کہتے ہیں۔

چلّوں میں تیر جوڑ کے ناوک فگن بڑھے دل توڑنے کو فاطمہ کا صف شکن بڑھے
گرز گراں اٹھائے ہوئے پیلتن بڑھے تیغیں علم کئے ہوئے سب تیغ زن بڑھے
پہنچے لعیں کمیں میں کمندوں کو کھول کے
لاکھوں سوار آ گئے نیزوں کو تول کے

تیروں نے بیگناہ کے سینہ میں گھر کیا نیزوں نے دل شکستہ کا ٹکڑے جگر کیا
سو حربے ایکبار چلے رخ جدہر کیا تیغوں نے چور چور بدن سر بسر کیا
واحسرتا یہ ظلم و ستم میہمان پر
بگڑی لڑائی بنگئی سیدؑ کی جان پر

شمشیر و ناوک ستم و خنجر و حجر چوب و سنان و گرز گرانبار و گاوسر
دام کمند و سیف سم آلودہ و تبر پڑتی تھی ایک بار مسافر پہ الحذر
بڑھ جاتے تھے یہ سب جو تن چاک چاک پر
تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کے گرتی تھیں خاک پر

کھائے علی کا لخت جگر وار تا کجا اُبلے رگوں سے خون تن زار تا کجا
اک فاقہ کش اٹھائے یہ آزار تا کجا سنبھلے رسول پاک کا دلدار تا کجا
طاقت نہیں بدن میں شہ مشرقین کے
آخر قدم رکابوں سی نکلے حسینؑ کے

ٹکڑے ہے سب عمامۂ سلطان کربلا جوشن کی ہر کڑی سے کڑی ہوگئی جدا
ہے چاک چاک حیدر کرار کی قبا کٹکر گرا زمیں پہ کمر بند مصطفےٰ

گرتے ہوئے سنبھل جو گئے آپ جھوم کے
نعلین بھی جدا ہوئی قدموں کو چوم کے

یاں تھا یہ حشر اور پسر سعد کو ادھر
تھا انتظار قتل شہنشاہ بحر و بر
دیتے تھے پیک دوڑ کے ہر بار یہ خبر
بیحال ہو چکا ہے ید اللہ کا پسر
گھیرے ہے فوج فاطمہؑ کے نور عین کو
گھبرا نہ اب کہ مار لیا ہے حسینؑ کو

لایا خبر یہ اتنے میں اک پیک تیز گام
لے اے امیر فتح مبارک گرے امام
مسرور ہو کہ اب نہیں کچھ فکر کا مقام
بالکل فساد مٹ گیا قصہ ہوا تمام
ٹکڑے کیا ہے دلبر شیر الٰہ کو
انعام آج چاہئے جنگی سپاہ کو

سنکر خبر یہ ہو گیا بشاش رو سیاہ
باجے خوشی کے بجنے لگے زمیں آہ آہ
بیدیں رواں ہوا طرف قتل گاہ شاہ
تیغیں برہنہ کر کے چلے گرد خیر خواہ
چتر زری کا سایہ تھا یاں اس ذلیل پہ
پڑتی تھی دھوپ لاش امام جلیل پہ

پہنچا قریب لاش جو وہ دشمن امام
دیکھا کہ جاں بلب ہیں شہنشاہ تشنہ کام
آلودہ خاک و خوں میں ہے رخت بدن تمام
شدت ہے غش کی سانس کا بگڑا ہے انتظام
ہیئت بدل گئی ہے سراپا یہ حال ہے
تن چور ہے شمار جراحت محال ہے

اثر انگیز

جلتی زمیں پہ کرب میں، ہیں سرورِ امم سر دُھن رہے ہیں، ہاتھ پٹکتے ہیں دمبدم
پھیلا دیا یہ پاؤں سمیٹا جو وہ قدم کروٹ نہ لے سکے تو کراہے بدرد و غم
صدمہ عطش کا دھوپ سے دہ چند ہو گیا
منہ کھل گیا کبھی تو کبھی بند ہو گیا

آمادۂ ستم ہوا وہ خانماں خراب مرفق تک آستیں کو چڑھا کر چلا شتاب
قہار کا نہ ڈر نہ محمدؐ سے کچھ حجاب آیا قریب لاش جگر بند بو تراب
پتھر کا دل تھا سینے میں اس بد خصال کے
دیکھا شقی نے باڑھ کو خنجر نکال کے

جب لشکرِ خدا میں سحر کی اذاں ہوئی حاضر جماعتِ شہِ کون و مکاں ہوئی
صوتِ حسن بلند سوئے آسماں ہوئی پڑھکر درود فوجِ ملک مدح خواں ہوئی
گلہائے بوستاں ہمہ تن گوش ہو گئے
طائر جو چہچہاتے تھے خاموش ہو گئے

انداز بیاں

تھے عالمِ سکوت میں سکانِ بحر و بر پانی سے مچھلیاں ابھر آئی تھیں سر بسر
ہر اک صدف تھی کان لگائے ہوئے ادھر تصویر بن گئے تھے درختوں پہ جانور

سکتے میں تھے حجر بھی شجر بھی جبال بھی
سبزہ سے منہ اٹھائے کھڑے تھے غزال بھی
جس دم اذاں کے بعد اقامت ہوئی تمام اکبر کے منہ کو دیکھ کے رونے لگے امام
استادہ قبلہ رو جو ہوا کعبۂ انام ہونے لگا نماز جماعت کا اہتمام
طاعت فزوں تھی لطف سوا آب حیات کے
نعرے ہوئے بلند اقیم الصلوٰت کے
صف باندھ کر کھڑے ہوئے جس دم وہ پاکباز گردون و بازمیں ہوئے اس درجہ سرفراز
دل جانب خدا تو نظر سوئے جانماز پیش آگہ اور عقب سرور حجاز
یوں قد جھکے رکوع میں اہل خشوع کے
قراں میں عین ہوتے ہیں جیسے رکوع کے
سجدے میں جھک گئے معہ انصار باوقار پہنچا زمیں کا تا بہ فلک فرق اعتبار
جھکنے سے پیش حق یہ اشارہ تھا بار بار یہ سر ہیں تیری راہ میں حاضر پے نثار
قبریں جو یاں ملیں در امید باز ہوں
ہدیے ہوں گر قبول تو ہم سرفراز ہوں
اللہ اکبر انکی عبادت کا ذکر کیا سجدوں میں خوف حق سے نہ ہلتی تھی دست و پا
یہ ہی رجوع اور یہی طاعت خدا ہوں محو جو ادھر انہیں کیا فکر ماسوا
تیغیں پڑیں بدن پہ تو جنبش میں سر نہ ہو
ہو جائے سر قلم تو جسد کو خبر نہ ہو
ہر شخص نشۂ مے وحدت میں چور تھا کوثر کے اشتیاق میں جوش سرور تھا

لب پر کسی کے وقت دعا یا غفور تھا ورد زباں کسی کے الیہ النشور تھا
وَاغْفِرْلَنَا کوئی بدلِ زار کہتا تھا
کوئی تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَار کہتا تھا

تحصیل میں ثواب کے بیاں تھے وہ تشنہ کام ناگہ خطا پہ لیس ہوئے ساکنانِ شام
باجے بجے، بندھی صف لشکر چلی حسام بے رخ ہوئی جری متردد ہوئے امام
سجدوں میں جھک کے کہتے ہوئے یا قدیر اٹھے
دم کر کے جوشنین صغیر و کبیر اٹھے

پہنچے جو رزمگاہ میں شاہنشہ امم کانپی زمیں لرزنے لگی وادیٔ ستم
ریتی میں گاڑ گاڑ کے نیزے بصد حشم باندھا پرا سپاہ خدا نے کھلا علم
بپھرے ہزبر فوج کے جنگل کو دیکھکر
گھوڑوں پہ جھومنے لگے مقتل کو دیکھکر

رزمیہ

گرجا ادہر دہل تو اٹھا شور دار و گیر قرنا پھکی بلند ہوا نالۂ نفیر
بولے نقیب جھکے بڑھا لشکر کثیر کڑ کیں کمانیں سر ہوئی چلوں سے ملکے تیر
اٹھے تبر کہ فاقہ کشوں پر جفا کریں
تیغیں کھچیں کہ خون سپاہ خدا کریں

ہر سو ہوئے سپاہ کے کالے نشاں بلند یا چھا گیا جحیم کا ہو کر دھواں بلند
یوں دھوپ میں چمک کے ہوئے پھر سناں بلند جیسے ہوا سے آگ کی چنگاریاں بلند

آثار قہر حضرت باری تھے دشت میں
دوزخ میں دوزخی تھے کہ ناری تھی دشت میں

واقعات و حالات کی مکدر فضا دیکھکر امام عالیجاہ نے انصار سے ارشاد کیا کہ غنیم فساد پر تلا ہوا ہے۔ اور پیشقدمی کیا چاہتا ہے۔ اسوقت ہمیں سر فروشانہ میدان میں اترنا چاہیئے۔

جانے لگے یہ سنتے ہی غازی پے جدال ہونے لگا نبرد کا میداں لہو سے لال
رہ رہ کے گرم ہوتا تھا ہنگامۂ قتال دیتا تھا داغ ایک کے بعد ایک ذیجال
رہتا تھا ناگوار جو دنیائے زشت میں
انجام کار سب ہوئے داخل بہشت میں

ہونے لگے فدا جو عزیزانِ ذی شرف لٹنے لگی بضاعتِ شاہنشہِ نجف
بیجاں جوان ہو گئے بچے ہوئے تلف بچھنے لگی اہلبیت میں ماتم کی صف بصف
لشکر ہوا تمام علی کے نشاں کے بعد
تنہا حسین تھے پسر نوجواں کے بعد

غربت پکارتی تھی کہ مولا تیری نثار لاکھوں عدو ہیں اور کوئی یاور نہ غمگسار
ہمت کا تھا کلام کہ یا شاہ نامدار کیا مال ہے یہ فوج جو ہے چار ہی گردگار
کہتا تھا صبر دکھ ہوں تو ہوں غم نہ کیجئے
ہم صورتِ رسول کا ماتم نہ کیجئے

آخرکار امامؑ خود لشکر کے سامنے پہنچتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ اگر مجھکو پناہ نہیں دیتے تو نہ سہی مگر ناموس مصطفٰے کا احترام

لازمی ہے۔ غنیم تلخ جواب دیتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

محاکات

تھرا گئے یہ سنتے ہی شبیرؑ خوشخصال غازی کے ناصیہ سے ہویدا ہوا ملال
چیں بر جبیں ہوئے اسد اللہ کی مثال منہ زرد ہو کے سرخ ہوا آ گیا جلال
کھایا وہ غم کہ زیست سے دل سیر ہو گیا
چاروں طرف نگاہ میں اندھیر ہو گیا

اسکے بعد آپ اسطرح رجز خواں ہوتے ہیں۔

بیکھی جہاں میں شیر نے جرأت کی ہم سے خو ہمت کا نام ہو نہیں کی ہم نے جستجو
ہم سے بندھی ہے دھاک شجاعت کی چارسو تلوار کی بڑھی انہی ہاتھوں سے آبرو
بستی اجاڑی ہر سپہ بد صفات کی
قدموں نے بات خلق میں رکھی ثبات کی

سنبھلے یہ کہکے رخش پہ مولا بصد عتاب پیری نے زیب جسم کیا جامۂ شباب
آمادہ وغا ہمہ تن ہو گئے جناب ابرو پہ تھی کھچی ہوئی تصویر بوتراب
آنکھیں لڑیں نگاہ ترحم کو چھوڑ کے
پلکوں کی صف بھی لیس ہوئی تیر جوڑ کے

اندازِ بیاں

رخ نے دکھایا رنگِ شجاعت بصد حشم زلفوں نے بل کیا کہ یہ اندھیر ہے ستم
ریش سیہ کے بال کھڑے ہو گئے بہم ہاتھوں کا قول تھا کہ رکینگے نہ چلکے ہم

سینہ غضب میں تن گیا اہل عناد پر
سیدھی کمر بھی ہو گئی عزم جہاد پر

تلوار کی تعریف

ناگاہ ذوالفقار گری فوج شام پر — آشوب روزگار گری فوج شام پر
بیتاب و بیقرار گری فوج شام پر — یا برق شعلہ بار گری فوج شام پر
وہ تیغ بارقہ جدہر آ کر چمک گئی
ضو مثل برق شعلہ فشاں تا فلک گئی

موذی اگرچہ غیض میں کھائے ہیں بل پہ بل — چلنا نہ تھا جو زور تو پسپا تھے دل پہ دل
گرتے تھے جھوم جھوم کے گھوڑوں سے پل پہ پل — نخل حسد کی تیغ چکھاتی تھی پھل پہ پھل
سالم نہ کوئی فوج کا دستہ تھا جنگ میں
باراں کیطرح خون برستا تھا جنگ میں

آپ کے گھوڑے کی تعریف اسطرح کرتے ہیں۔

مبالغہ شاعرانہ

پائے نہ اسکو برق اگر دوڑتی رہے — پہنچے وہ منزلوں یہ ادہر دوڑتی رہی
ہو ہو کے تیز عقل بشر دوڑتی رہی — ہر سمت جستجو میں نظر دوڑتی رہی
دو گام چلکے وہم رسا پیش و پس کرے
امر فضول ہے جو ہوا بھر ہوس کرے

گذرے چمن میں گر یہ سبک سیر راہوار — شبنم کیطرح جسم پہ سبزوں کی ہو بہار
سمجھے صبا کہ راز ہے گلشن کا آشکار — بلبل کہے کہ از سر نو آ گئی بہار

ہر گل کو ہو یقیں کہ چمکتی نسیم ہے
دھوکا نسیم کو ہو کہ گل کی شمیم ہے

ایک پہلوان بہرام ثانی آپ کے مقابلے کے لئے بڑھتا ہے۔
اس پہلوان کے متعلق لکھتے ہیں۔

جو کچھ ہیں فن سپاہگری کے وہ سب ہیں یاد لاکھوں کو نیزہ بازی میں ہے اس سے اعتقاد
شیر افگنی میں ثانی ارجن ہے بدنہاد حاصل کمال سحر اسے حد سے ہے زیاد

ہمراہ گرز بھی ہے سناں بھی تبر بھی ہے
رومی کماں بھی تیغ دو دم بھی سپر بھی ہے

اس درجہ ہے جسیم سیہ مست و سخت جاں ہے فیل جسکے سامنے اک مور ناتواں
سر پر ہے خود سنگ وہ بھاری کہ الاماں فولاد کی زرہ میں تنِ نحس ہے نہاں

پنہاں جھلم میں چہرۂ بد ہمت پسند ہے
پھنس جائے جسمیں دیو وہ محکم کمند ہے

دعویٰ غرور میں ہے کہ یہ کونسا ہے کام دیکھو میری نبرد کو اے صفدرانِ شام
اے ابن سعد فوج سے بڑھ تو بھی چند گام رہ مطمئن کہ دم میں یہ قصہ ہے اب تمام

اپنا ہنر دکھاتا ہوں ہر اک دلیر کو
زندہ اسیر کرتا ہوں حیدر کے شیر کو

حضرت کے قریب پہنچکر

نعرہ کیا شقی نے غضب میں کہ یا امام تا چرخ پنجم آج ہے مشہور میرا نام
پوشاک سرخ رہتی ہے بر میں میری مدام بہرام ہوں میں ناصر رومی کا لالہ فام

ہلتا ہے رن لڑائیاں جب جھیلتا ہوں میں
دشمن کے خوں سے رنگ سدا کھیلتا ہوں میں

آپ جواب دیتے ہیں۔

گو تشنہ و گرسنہ ہیں اور غم سے جاں بلب پر تجھ سے بے شعور کو ہم ملتے ہیں کب
مل جائے تیرے ڈر سے وہ جرار ہے غضب جسکا پدر ہو شیر خدا اشجع العرب
اٹھی اگر زمیں تو قدم ہوں اسی جگہ
پھٹکر گرے فلک بھی تو ہم ہوں اسی جگہ

سنبھلے یہ کہکے رخش پہ شاہ فلک مقام آگے بڑھا وہ دشمن دیں کھینچکر حسام
مکار نے جھکائیاں دیکر برائے نام پھرتی سے لی کمند کہ لپکے سوئے امام
پھندوں سے ہاتھ اسکے مگر پھنسکے رہ گئی
بیساختہ ادھر شہ دیں ہنسکے رہ گئے

کرتا رہا وہ زور چلا کچھ مگر نہ بس سر سے ہوا تو دل ہی گئی جنگ کی ہوس
طائر کی طرح روح پھڑکتی تھی ہر نفس دام بلا میں پھنستے ہی دنیا ہوئی قفس
مولا کھڑے تھے حیدر کرار کی طرح
ظالم تھا دست بستہ گنہگار کی طرح

آخر آپ اسے رہا کر دیتے ہیں۔ اسکے بعد

اس کج ادا نے سہم کے شانے سے لی کماں تلے پہ جا کے سر کیا اک تیر بے اماں
دو کر کے تیر شیر سے جھپٹے شہ زماں ثمرہ خطا کا ملگیا سر کش کو ناگہاں

گوشہ کماں کا تیغ اجل نے قلم کیا
حیراں تھے سب کہ شاخ کو پھل نے قلم کیا

گو پھرتیاں دکھاتا تھا رہ رہ کے نابکار — زخمی مگر نہ ہوتے تھے مولائے نامدار
ناگاہ کر کے سینۂ اقدس پہ ایک وار — سمجھا شقی کہ ہو گیا نیزہ جگر کے پار
دیکھا تو یاں تھی چوب دلاور کے ہاتھ میں
افعی کی گردن آ گئی حیدر کے ہاتھ میں

آپ گردن چھوڑ دیتے ہیں۔ تلوار کی جنگ شروع ہوتی ہے۔
لکھتے ہیں۔

جب خوب وار تیغ کے بھی کر چکا لعیں — بس آ گئے غضب میں امام فلک نشیں
کی ضرب ذوالفقار چڑھا کر جو آستیں
دو ہو گیا سمند پہ نامرد تا بہ زیں

ایک مشہور پہلوان کا یہ ہولناک حشر دیکھ کر

لشکر میں واں تو ڈر سے تلاطم ہوا بپا — یاں ضعف سے نڈھال ہوئے شاہ کربلا
تیغ دو سر جو روک لی تھرائے دست و پا — پھٹ کا جگر ہوا غلبہ پیاس کا سوا
تا دیر معرکہ میں جو آرام کم لیا
دم بھر ٹھہر کے رشکِ مسیحا نے دم لیا

یہ حال تھا ابھی کہ بڑھی ظلم کی سپاہ — یوں آئے دل پہ دل کہ گھٹا چھا گئی سیاہ
سیّد پہ بند ہو گئی امن و اماں کی راہ — زخموں سے چور چور ہوئے شاہ دیں پناہ

آفت میں اقربا تھے نہ ہمدرد ساتھ تھے
سر خم تھا آنکھیں بند تھیں بغلوں میں ہاتھ تھے

ناگاہ تین رخ سے چلے تیر دس ہزار سینہ تمام چھن گیا بازو ہوئے فگار
دھاریں لہو کی چلنے لگیں منہ سے بار بار نیزہ کبھی پڑا کبھی تیغ ستم کا وار
کیا کیا نہ سختیاں تھیں شہ خوشخصال پر
پتھر برس رہے تھے محمد کے لال پر

ایذا سے جاں بلب تھے ابھی شاہ کربلا ناگہ گلے سے پار ہوا ناوکِ جفا
سینے میں سانس رکنے لگی دم ہوا خفا کھینچا جو تیر ڈوب گئی خون میں قبا
نیزہ کسی کا پھر جو پڑا صدر پاک پر
رہوار سے تڑپ کے گرے فرش خاک پر

جس وقت زہ میں چوب لگی طبل جنگ پر اور تیر جوڑنے لگے چلّوں میں جب شریر
شیر خدا کے شیر نے سینہ کیا سپر بجلی سا کوندنے لگا گھوڑا ادھر ادھر
چھائی گھٹا سی فوج ستم بھوکے پیاسے پر
حملہ کیا رسول خدا کے نواسے پر

آیا جلال میں خلف شبیر کردگار نعرہ کیا کہ ہل گیا میدان کارزار
گھوڑوں سے کانپ کانپ کے گر گر پڑے سوار حربے زمیں پہ پھینک کے بھاگے ستم شعار

جو نامور بڑے تھے جگر انکے پھٹ گئے
باگیں جو ڈر کے کھینچ لیں گھوڑے الٹ گئے

للکارا بڑھکے فوج کو تب شمر خیرہ سر
اے غازیو یہ قصد ہی کیا دھیان ہی کدھر
ہمّت نہ ہاریو کہ مہم ہو چکی ہے سر
کبتک کرے گا جنگ یداللہ کا پسر
زخمی تو کردو فاطمہ کے نورِ عین کو
کاٹوں گا میں چھری سے گلوئے حسینؑ کو

جائیگا سر امام کا حاکم کے جب حضور
دینے میں مال و زر کے کریگا نہ وہ قصور
آقا کا اپنے چاہیئے پاسِ نمک ضرور
جاؤ کرو حسینؑ کو تیغوں سے چور چور

اسکے بعد لکھتے ہیں کہ

لالچ میں زر کے آگے بڑھے سب وہ نابکار
نیزے اٹھا کے چار طرف آ گئے سوار
سینہ پہ سامنے سے چلے برچھیوں کے وار
پلّے سے اکبار چلے تیر دس ہزار
وہ گلعذار فاطمہ خاروں میں گھر گیا
تنہا علی کا لعل ہزاروں میں گھر گیا

گھیری ہوئی ہے شاہ کو وہ لشکر ستم
سوکھی زباں لبوں پہ پھراتے ہیں دمبدم
آنکھوں میں اشک ہاتھوں میں رعشہ کمر میں خم
اک جاں ہزار رنج ہیں اک دل ہزار غم

آپ مجبور ہو کر تلوار علم کرتے ہیں اور چشم زدن میں کشتوں کے پشتے لگا دیتے ہیں۔ لکھا ہے

چلنے لگی وہ تیغ جو اعدا کی فوج پر
برگِ خزاں کیطرح گری پیکروں سے سر

کی جسنے وار روکنے کو سامنے سپر کاٹا سپر سمیت اسے سر سے تا کمر
چمکا کے ذوالفقار کو منہ پر جوانوں کے
اک ضرب میں اڑا دیئے چلّے کمانوں کے

آئے جو پیدلوں کی صفوں پر امام دین نازاں تھے اپنی تیغ زنی پر وہ اہل کیں
حربوں پہ انکے آئی نہ شہ کے جبیں پہ چیں نعرہ کیا کہ رن کی لرزنے لگی زمیں
چمکی جو برق تیغ صفیں سب الٹ گئیں
قبضے تو ہاتھ میں رہے تلواریں کٹ گئیں

دہشت سے شمر و عمرو کا رنگ فق ہو جاتا ہے۔ اتنے میں
نکلا پرے سے ایک ستم گر بکرّ و فر تیغا کمر میں پشت پر اک آہنی سپر
جوشن وہ بر میں تیغ نہ جسپر کرے اثر نیزہ کیساتھ دوش پہ اک گرز گاؤ سر
پھٹّر کا خود فرق پہ مثل تنور تھا
اک سرکشی میں کفر و ضلالت کے چور تھا

چنگھاڑ کر یہ کہنے لگا مثل دیو مست نا دیدہ جنگ تھے جنہیں حضرت نے دی شکست
معلوم تھا انہیں نہ لڑائی کا بندوبست میں تم سے سرکشوں کو بہت کر چکا ہوں پست
کر لیجئے بچا ہو جو حربہ لڑائی کا
پھر حوصلہ رہیگا نہ تیغ آزمائی کا

اتنا کہا اور گھوڑا اکاوے پہ ڈالکر شاہ کے قریب پہنچگیا۔
گرز گراں اٹھا کے یہ بولا وہ بد خصال اس وار کو تو روک بھلا ای علی کے لال
آیا اوہر سے گرز ادھر آگیا جلال غازی نے بندوبست ستمگر پہ ہاتھ ڈال

جھٹکا دیا تو منہ کے بل آیا کھنچا ہوا
کہنی سے ہاتھ شانے سے بازو جدا ہوا

اسکے بعد لکھتے ہیں۔

کیا کیا جھپٹ جھپٹ کے ہوا شہ پہ حملہ ور سب وار اسکے رد کئے حضرت نے بے سپر
آخر کہا کہ ہوش میں آ اے زبوں سیر کرتا ہے اپنا وار ید اللہ کا پسر
کہنا تھا یہ کہ شاہ کی شمشیر چل گئی
بیٹھی جو سر پہ تنگ کے نیچے نکل گئی

دفعتاً آپ نرغۂ اعدا میں گھر جاتے ہیں اور ایک زبردست مقابلے کے بعد شہید ہو جاتے ہیں +

میں مدح خوان سبط رسالتمآب ہوں خوش نغمہ عندلیب ریاض ثواب ہوں
جلوہ ہے اوج نظم پہ وہ آفتاب ہوں فیض سخن سے شام وسحر کامیاب ہوں
تحسیں کا شور بزم میں حسن بیاں سے ہے
سارا فروغ شمع کی صورت زباں سے ہے

زبان کی تعریف

ہر چند ہے سخن بھی گرانقدر ولاجواب لیکن دم اسکے سامنے مارے یہ کیا ہے تاب
گر ہے زباں سحاب تو وہ بارش سحاب یہ آہوئے ختن ہے اگر تو وہ مشک ناب

ہر جا وہ ہے یہ ایک جگہ اپنے کام پر
خوشبو تو ہر طرف ہی گل اپنے مقام پر

قبضہ ہے یہ اوپی ہوئی تلوار ہی سخن
معدن ہے یہ جواہر بازار ہی سخن
دریا یہ ہی تو گوہر شہوار ہے سخن
ثابت اگر زباں ہی تو سیار ہی سخن
اسکو تحکم اور اسے اتباع ہے
گویا یہ آفتاب ہی اور وہ شعاع ہے

حق نے زباں بھی دی مجھے روشن کلام بھی
حاصل نگیں بھی ہو گیا دنیا میں نام بھی
جوہر بھی دستیاب ہوئے اور حسام بھی
ہے ساتھ ہر مہم بھی مدار المہام بھی
کہنے کو حاجتیں بھی ہیں حاجت روا بھی ہی
درپیش مشکلیں بھی ہیں مشکلکشا بھی ہی

ابن علی سے جب پسر نوجواں چھٹا
راحت رسان و لخت دل و جان جاں چھٹا
ذیقدر وہ ذی وقار و سعادت نشاں چھپا
باغ شباب حسن کا سرو رواں چھٹا
بیتاب غم سے قلب شہ خوشخصال تھا
آنکھوں سی جوئے اشک رواں تھی یہ حال تھا

مفارقت پسر

کاہش ہی جان کے لئے رشک قمر کا داغ
روز سیہ دکھاتا ہی نور نظر کا داغ
ہر داغ سے جہاں میں سوا ہی جگر کا داغ
ہے مرگ کا پیام پدر کو پسر کا داغ
گھر جس شکستہ دل کا لٹی اس سی پوچھیے
اکبر سا لال جسکا چھٹے اس سے پوچھیے

کس سے کہیں امام امم اپنے دل کا حال جیتے تھے جسکے دم سے ہوا اسکا انتقال
پایا تھا عمر کھو کے جسے گم ہوا وہ لال وہ نوجواں چھٹا جسے اٹھارھواں تھا سال

وہ نخل کٹ گیا جسے پانی ملا نہ تھا
مرجھا گیا وہ گل جو ابھی تک کھلا نہ تھا

دل اس ضعیف باپ کا کیونکر نہ بیٹھ جائے جو جان ناتواں پہ یہ کوہ الم اٹھائے
ٹکڑے زمین گرم پہ لخت جگر کو پائے فرماتے تھے کہ لٹ گئی جنگل ہیں ہائے ہائے

ہم دیکھیں لاش اکبر دلگیر ہے غضب
مٹجائے یوں رسول کی تصویر ہے غضب

امام عالیجاہ حضرت زینب سے اذن جنگ لے کر مقابلہ اہل شام کے لئے جا رہے ہیں۔ لکھتے ہیں

رخصت ہوئے حرم سے شہ آسماں وقار دیکھا سکینہ روتی ہے پہلو میں زار زار
بولے کہ الفراق سکینہ پدر نثار آؤ ملو گلے سے کہ یہ آخری ہے پیار

بی بی ہوا ہے دور مقدر کا غم کہیں
تم ایکدم میں ہونگی کہیں اور ہم کہیں

بولے لپٹ کے وہ کہ نہ جاؤ فدا ہوئیں یہ دل کہاں سے لاؤں کہ تم سے جدا ہوئیں
فرمایا رو کے تابع حکم خدا ہوں میں بندہ ہوں اسکا گرچہ امام ہدا ہوئیں

جو حکم ہے بجا وہ نہ لاؤں تو کیا کروں
اسنے طلب کیا ہے نہ جاؤں تو کیا کروں

مگر حضرت سکینہؓ مچل جاتی ہیں۔ اور ساتھ چلنے پر اصرار کرتی

ہیں۔ اسوقت

کہنے لگے یہ اس سخی شہنشاہ بحر و بر ۔۔۔ سونپا تمہیں خدا کو مرے پارۂ جگر
اعدا ہیں چھوڑتا نہ کبھی تم کو یہ پدر ۔۔۔ مجبور لیکن اسکی مشیت سے ہے بشر
کیا اس فراق کا مرے دل پر تعب نہیں
لیجاؤں کسطرح کہ تمہاری طلب نہیں

ناداں نے رو کے عرض یہ کی با دلِ حزیں ۔۔۔ اچّھا خدا کا حکم یہی ہے تو بس نہیں
لیکن جو ظلم کرنے لگیں آنکر لعیں ۔۔۔ اسدم مجھے نہ بھولئیگا یا امام دیں
فریاد سُنکے دیر نہ فرمائیے گا آپ
بابا مدد کو جلد چلے آئیے گا آپ

اک آہ سرد کھینچکے کہنے لگے امام ۔۔۔ چھریاں مرے جگر کو ہیں بچپن پہ یہ کلام
اللہ صبر دے تمہیں اے میری لالہ فام ۔۔۔ جسمیں کچھ اپنا بس ہو یہ ایسا نہیں مقام
روپوش ہو کے شکل دکھاتا نہیں کوئی
جا کر خدا کے گھر کبھی آتا نہیں کوئی

حضرت امام حسینؑ عرصۂ کارزار میں پہنچ جاتے ہیں۔ لشکر میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔

سہمے جو رعب دیکھ کے مقہور یک بیک ۔۔۔ چہروں سے رنگ ہو گئے کافور یک بیک
خوشبوئے تن مہک گئی تا دور یک بیک ۔۔۔ چھایا زمیں سے تا بفلک نور یک بیک
خورشید یوں تھا رخ کی تجلّی کے روپ میں
ذرّہ کوئی چمکتا ہے جسطرح دھوپ میں

آپ کے گھوڑے کی تعریف اس شاعرانہ انداز سے کرتے ہیں۔

فوجوں سے یہ سمند رکے ہے عبث خیال　　نکہت تھمے حصار چمن سے یہ ہے محال
گھیر لینگے کیا اسد کو ہزاروں ہوں گر غزال　　آندھی کے سد راہ شجر ہوں یہ کیا مجال
ابر سیہ سے برق کا جلوا رُکا نہیں
موجوں کے دام سے کبھی دریا رکا نہیں

تلوار خار اشگاف کے متعلق کہتے ہیں۔

تھا شعلہ بار عکس رخ برق تاب تیغ　　کیا تاب تھی کسی کو جو دیتا جواب تیغ
گھرتا تھا مثل ابر جو اٹھکر سحاب تیغ　　مینہ کیطرح برستا تھا ہر بار آب تیغ
دھاریں لہو کی آتی تھیں بوچھار کیطرح
صف اڑ اڑا کے گرتی تھی دیوار کیطرح

لشکر میں تھے حواس کسی کے بجا نہ ہوش　　تھمتے نہ تھے ایکجا نہ سواران درعہ پوش
وہ غل تھا جیسے ہوتا ہے دریا میں وقت جوش　　ہر سمت بھاگ بھاگ کا غوغا تھا اور خروش
دامن پھٹے پڑے تھے نشانوں کے جابجا
ٹکڑے جپکے ہی تھے سنانوں کے جابجا

ہر سو تباہ فوج کے ہیڑے تھے دمبدم　　بالائے خاک خون کے ڈریکے تھے دمبدم
ضربیں نہ تھیں اجل کے تھپیڑے تھی دمبدم　　طے رن میں زندگی کے بکھیڑے تھے دمبدم
ہردم جو تیغ تیز کی ہولے تھے ہر طرف
اعدا کے ہاتھ پاؤں بھی پھولے تھے ہر طرف

چلتی تھی دمبدم جو وہ شمشیر ہر طرف　　خونخوار اپنی زیست سے تھے سیر ہر طرف

ہر بار تھے پرے زبر و زبر ہر طرف تھا شام کی سپاہ میں اندھیر ہر طرف
ریتی پہ تھی نہ لاش ہر اک بدصفات کی
افتادہ تھیں بجھی ہوئی شمعیں حیات کی

مشکل ہے مدحت فرس بیمثال بھی عاجز ہے جسکے وصف میں نازکخیال بھی
دانا بھی بردبار بھی اور خوش جمال بھی پیک نظر ہو دنگ سبک ہے وہ چال بھی
ہمراہ اسکے تیر کماں سے فضول جائے
دو گام ساتھ دے جو ہوا سانس پھول جائے

نیچی نظر وہ اسکی وہ شرمائی انکھڑیاں مستانہ چال صورت طاؤس بوستاں
بیچین ہر قدم صفتِ نبض ہر زماں وہ بانکپن وہ ناز وہ چھل بل کہ الاماں
آشوب دہر یہ فرسِ بے مثال ہے
نقشِ قدم میں شوخیٔ چشمِ غزال ہے

مانند برق دشت میں جولاں تھا ہر طرف ظاہر کبھی تھا اور کبھی پنہاں تھا ہر طرف
حملہ بسان شیر نیستاں تھا ہر طرف بیخوف دشمنوں میں خراماں تھا ہر طرف
دعوے یہ تھا کہ کیا یہ سوارانِ شام ہیں
دبتا ہوں کب کہ پشت پہ میرے امام ہیں

انداز بیان

چلنا ہی یوں رہیں پہ یہ شبدیز خوش سیر پڑتے ہیں جیسے اوس کے قطرے دم سحر
جنگل کے سارے پھول ہیں زیر قدم مگر کس لطف کی ہے چال کہ گرتا نہیں ہے زر

نکہت سے کم سبکروئی باد پا نہیں،
کلیاں چٹک رہی ہیں سموں کی صدا نہیں

ہل چل صفوں میں ہوتی تھی کرتا تھا جب وہ جست
لاشے تھے پائمال یہ سرکش ہوئی تھی پست
لشکر میں انتظام تھا مطلق نہ بندوبست
کیا اہل شام جنگ میں پاتے بجز شکست
ہر دم تھی فتح قبضۂ شمشیر شاہ میں
رہتے تھے خود پناہ اسی کی پناہ میں

عین لڑائی میں وقت ظہر آ جاتا ہے۔ آپ لڑائی موقوف کر کے نماز کی تیاری میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ زریں موقع پاتے ہی۔

شمر سیاہ کار بڑھا جلد چند گام
آواز دی کہ دیر ہے کیا اے گروہ شام
جا گہ نہ خوف کی ہے نہ تشویش کا مقام
بس خاتمہ ہے اب کہ نہتے ہوئے امام
حلقہ میں چار سمت سے لو خستہ حال کو
مجبور کر کے مار لو زہرا کے لال کو

پھر آیا جلد قلب میں لشکر کے وہ شریر
بولا کہ کیا درنگ ہے اے لشکر کثیر
اب تک چلے نہ کیوں پسر فاطمہؑ پہ تیر
میں سامنے کھڑا ہوں بڑھے فوج کی بھیر
دشمن کی بیکسی پہ تاسف نہ چاہیئے
تعجیل قتل میں ہو توقف نہ چاہیئے

یہ سنکے مستعد ہوئیں فوجیں علے العموم
ہر سو بڑھو بڑھو کی ہوئی ایکبار دھوم
دل پیدلوں کے اور وہ سواران شام و روم
لاکھوں کا ایک بیکس و تنہا پہ وہ ہجوم

غل تھا کہ تین روز کے پیاسے کو مار لو
عرصہ نہ ہو نبیؐ کے نواسے کو مار لو

ناگہ قریب شاہ لعین بے درنگ آئے
زہرا کا گھر مٹانے کو سب خانہ جنگ آئے
چلنے لگیں اوپی ہوئی تیغیں خدنگ آئے
حربوں سے پاش پاش بدن بقا کہ سنگ آئے
سر پہ اجل تھی امن کی شکلیں محال تھیں
تلواریں جتنی گرد تھیں سب خوں سے لال تھیں

وہ فصل گرم تند ہوا گرد ہر طرف
تابش سے آفتاب کے رن زرد ہر طرف
باجے بجا رہے تھے جو بیدرد ہر طرف
تھا زلزلہ میں وادیٔ ناورد ہر طرف
ان سختیوں پہ سر کو بھی دھنتا نہ تھا کوئی
کہتے تھے کچھ امام تو سنتا نہ تھا کوئی

رہوار پر سنبھلنے کی طاقت رہی نہ جب
ریتی پہ گر کے غش ہوا جان رسولؐ رب
جنبش نہ جب ہوئی تو پکارے سوار سب
اے ابن سعد مر گئے شبیرؑ تشنہ لب

داغِ پسر

یارب کسی کا باغ تمنا خزاں نہ ہو
دنیا میں بے چراغ کوئی خانماں نہ ہو
ماں باپ سے جدا پسر نوجواں نہ ہو
چھٹ جائیں سب پہ فرقت آرام جاں نہ ہو

گر لاعلاج ہے تو کلیجہ کا داغ ہے
بدتر وہ قبر سے ہے جو گھر بےچراغ ہے
دشمن کو بھی جہاں میں فراق پسر نہ ہو ویراں کسی غریب کا آباد گھر نہ ہو
ہوں سب طرح کے درد یہ درد جگر نہ ہو یارب کسی کو صدمۂ نور نظر نہ ہو
مٹی ہے سلطنت جو ملی کائنات کی
بیٹا نہ ہو تو خاک ہے لذت حیات کی
فرزند گرچہ کچھ نہیں آتا کسی کے کام اس سے پدر کو رنج پہنچتے ہیں صبح و شام
لیکن یہ وہ نگیں ہے کہ رہتا ہی جس سے نام دم بھر پسر جدا ہو تو ہی زندگی حرام
دشمن کو بھی نہ اپنی کمائی سے یاس ہو
عسرت رہی یہ دولت اولاد پاس ہو
زانو پہ مر گیا جو برابر کا نور عین غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا جھک گئے حسینؑ
جب ہو جگر پہ زخم تو کیا آئے دل کو چین اللہ رے غم کہ پیر ہوئے شاہ مشرقین
پھر تو نہ کوئی آس نہ کوئی امید تھی
چہرہ تھا زرد ریش مبارک سفید تھی
جب لاش کو لٹا کے پھرے شاہ تشنہ لب دیکھا کہ در پہ رو رہے ہیں اہلبیت سب
حضرت پکارے اے حرم سید العرب اکبر بھی مر چکے کوئی باقی نہیں ہے اب
بھائی کو رو چکے انہیں اب رو کے آئے ہیں
بانو تمہارے لال کو ہم کھو کے آئے ہیں
اسکے بعد حضرت وارد خیمہ ہوئے ۔ حضرت سکینہ آپ

سے لپٹ جاتی ہیں تو جوشِ رقت میں فرماتے ہیں۔

یثرب سی موت لائی تھی ہمکو سوئے عراق مدّت سے وصل جدّ و پدر کا ہے اشتیاق
ہرچند درد ہجر عزیزاں ہی دل پہ شاق انجام اتحاد مسافر کا ہے فراق
ایذا میں حکم صبر ہے رقت نہ چاہیئے
بی بی مسافروں سی محبّت نہ چاہیئے

یہ درد انگیز گفتگو سنکر حضرت زینب رو دیتی ہیں ۔ تو فرماتے ہیں:۔

بھینا طریقۂ جہلا ہے فغان و آہ بندے کے صبر میں ہی رضامندئ الٰہ
درپیش ہر بشر کو ہی یہ ناگزیر راہ نہ موت سی فقیر بچے گا نہ بادشاہ
بیٹوں سی باپ بہنوں سی بھائی جدا ہوئے
تھے اس مکاں میں ہم سی جو پہلے وہ کیا ہوئے

دیکھو کہ صبح تک تھے مرے سب رفیق و یار اب ہی نہ کوئی دوست نہ ہمدم نہ غمگسار
افسوس دو پہر میں خزاں ہو گئی بہار غنچہ ہی نے شجر ہی نہ گل ہی نہ برگ و بار
برسوں میں جنکو جمع کیا تھا وہ مر گئے
گویا کبھی جہاں میں نہ تھے یوں گذر گئے

اسی سلسلہ میں ارشاد کرتے ہیں۔

ورنہ میں ہمنے پایا ہی وہ صابروں کا صبر تڑپو نہ مثل برق نہ روؤ مثال ابر
شاکر رہو ہزار ستم ہوں ہزار جبر آخر ہی سب کیواسطے آزار مرگ و قبر

یاں سینکڑوں بنی ہوئی شکلیں بگڑ گئیں
بہنوں سے بھائی بھائی سے بہنیں بچھڑ گئیں

ہوتا اگر نہ قتل تو آتی نہ کیا اجل — گر آج بچ گئے تو یہی مرحلہ ہے کل
رہنے کی ہے یہ جا نہ ٹھہرنیکا ہے محل — دنیا میں صبر سے کوئی بہتر نہیں عمل
آتا نہیں وہ پھر کے کبھی جو جُدا ہوا
روئے پدر کیواسطے برسوں تو کیا ہوا

. . . .

اثر انگیز

شب کو جو مجھکو ڈھونڈ کے روئیں سکینہ جان — زینب خدا کیواسطے رکھنا تم اسکا دھیان
لو بیبیو کریم تمہارا نگہبان — لو بانو آؤ ہوتا ہی رخصت یہ مہمان
کبرا کدھر ہے دلبر زہرا کو دیکھ لے
سجاد کو جگاؤ کہ بابا کو دیکھ لے

حضرت سجاد بستر علالت سے بہ ہزار خرابی سامنے آتے ہیں۔
آپ تلقین صبر کے بعد فرماتے ہیں۔

بستر پہ جا کے لیٹ رہو اور کوئی دم — مہلت نہ دینگے پھر نہیں یہ بانیء ستم
بولا یہ ہاتھ جوڑ کے تب وہ اسیر غم — چھوڑونگا میں نہ قبلۂ کونین کے قدم
بیٹا نہ ایسے وقت میں بابا کیساتھ ہو
بیمار چاہیئے کہ مسیحا کے ساتھ ہو

امام پاک حرم کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ بیٹا ضرورت اسبات کی مقتضی ہے کہ تم ان کے ساتھ رہو۔ حضرت سجاد سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

بیت الشرف سے نکلے جو سلطان بحر و بر　　دیکھا کہ ذوالجناح کھڑا ہے جھکائے سر
حضرت نے باگ تھام کے دیکھا ادھر ادھر　　کوئی نہ دوست تھا نہ برادر تھا نے پسر
تنہائی حسینؑ پہ دنیا نے رو دیا
غربت پہ اپنی خود شہ والا نے رو دیا

سراپا

بالائے سر عمامۂ محبوب کردگار　　گورا وہ رنگ اور وہ ریش خضاب دار
حمزہ کی ڈھال دوش پہ قبضے میں ذوالفقار　　رخ سے خدا کے شیر کا سب رعب آشکار
تھی خیرگی نگاہ کو حسن جناب سے
آنکھیں ملا سکا ہے کوئی آفتاب سے

چتر زری لگائے تھا واں ابن سعد شوم　　دو سو تھے گرد و پیش رئیسان شام روم
وہ شور گیر و دار کا وہ فوج کا ہجوم　　وہ جا بجا نقیبوں کا غل صف کشی کی دھوم
چھایا ہوا تھا ابر ستم میہمان پر
کیا آ بنی تھی بیکس و تنہا کی جان پر

چپکا کھڑا تھا دھوپ میں زہرا کا نازنیں　　ٹاپیں فرس اٹھاتا تھا جلتی تھی سرزمیں
رخ سے پسینہ پونچھ کے کہتے تھے شاہ دیں　　لیجے خبر غلام کی یا شاہ مرسلیں

سر پر خدا ہے یا میرے مالک حضور ہیں
امّت کا حال کس سے کہوں آپ دور ہیں

خیر النسا کے ماہ پہ جب چھا گئی سپاہ　　کچھ شہ پہ آئی کچھ سوئے دریا گئی سپاہ
تنہا جو ابن فاطمہ کو پا گئی سپاہ　　نیزے اٹھا اٹھا کے قریب آ گئی سپاہ
ڈالی جو آنکھ سب نے شہ ارجمند پر
بیٹھے سنبھل کے قبلۂ عالم سمند پر

کاندھے پہ ذوالفقار کو رکھکر یہ دی صدا　　بتلاؤ کیا ارادہ ہے اے قوم اشقیا
تنہا تو ہوں مگر بخداوندی خدا　　سر لوٹتے پھرینگے بیاباں میں جا بجا
پھر دم نہ لیگی تیغ علی خوں میں پیر کے
پیچھے قدم ہٹاؤ جو طالب ہو خیر کے

ہم شیر مانتے ہیں کہیں بھوک پیاس کو　　چڑھتی ہے ہم تک آتے ہوئے تپ ہراس کو
عیش و طرب سمجھتے ہیں اندوہ و یاس کو　　جسدن سے ہوش ہے نہیں چھوڑا حواس کو
دل خوں ہوا پہ چشم کو پُر نم نہیں کیا
اکبر سے نوجوان کا ماتم نہیں کیا

غالب صدا رہے سپہ روم و شام پر　　نصرت کا ہے مدار ہماری حسام پر
رغبت ہمیں نہ آپ پہ ہے نے طعام پر　　عزت پہ جان دیتے ہیں مرتے ہیں نام پر
لیتے ہیں کچھ تو اکبر خالق سے لیتے ہیں
ہم آپ فاقہ کرتے ہیں سائل کو دیتے ہیں

دنیا کو ہیچ و پوچ سراپا سمجھتے ہیں وہ خود بُرے ہیں جو اسے اچھا سمجھتے ہیں
دانا جو ہیں وہ معنیٔ عقبےٰ سمجھتے ہیں ہے سہل و مختصر ہم اسے کیا سمجھتے ہیں

نہ تخت سے غرض ہے نہ شاہی سے کام ہے
درویش کو رضائے الٰہی سے کام ہے

ناحق شکستہ دل کے ستانے سے کیا حصول دُکھتے ہوئے جگر کے دُکھانے سے کیا حصول
بیکس پہ تیغیں تول کے آنے سے کیا حصول اک بے گنہ کا خون بہانے سے کیا حصول

مضطر ہیں ورثہ دار جناب امیر کے
واللہ مال و زر نہیں گھر میں فقیر کے

حرم پاکِ مصطفےٰ

ہیں میرے ساتھ چند جو سیدانیاں غریب بیکس عزیز مردہ جفاکش بلا نصیب
ان سب کو دوست رکھتا ہے اللہ کا حبیب رشتہ میں ہیں رسولِ خدا سے بہت قریب

تھی غیر فقر کونسی دولت علی کے پاس
زر کیا ردا تلک نہیں ثابت کسی کے پاس

تقویٰ ہے زیور اُن کا تو شرم و حیا لباس ہاں ایک نقد عصمت و عفت ہے سب کے پاس
ہیں سالک طریق بتول فلک اساس اک ایک حق پرست ہے اک ایک خدا شناس

سب مرتضیٰ علی کے چلن انکو یاد ہیں
ایذا میں شکر کرتی ہیں فاقوں میں شاد ہیں

بلقیس شہرہ صبر و رضا ہیں وہ بیبیاں آنکھوں کی فاطمہ کے ضیا ہیں وہ بیبیاں
روح تن حجاب و جفا ہیں وہ بیبیاں بوئے گل ریاض حیا ہیں وہ بیبیاں

کم گو ہیں بیزباں ہیں صداقت نشان ہیں
عصمت کی آبرو ہیں تو ایماں کی جان ہیں

ہر دم ہیں محو بندگیٔ ربّ بے نیاز — سجدوں میں حق سے کہتی ہیں کچھ اپنے دل کے راز
روتی ہیں جب تو ہوتا ہے پتھر کا دل گداز — دامن وہ پاک ہیں کہ فرشتے پڑھیں نماز
کچھ قدر مال و زر نہیں انکی نگاہ میں
بیٹونکو صدقے کر دیا خالق کی راہ میں

چلّایا ابن سعد ستم پیشۂ جہول — یہ عجز ناپسند ہے یہ عذر نا قبول
لوٹینگے بعد فتح و ظفر خانۂ بتول — تیغ دو دم کو کھینچیے باتوں سے کیا حصول
مرسل ہو یا امام ہو کچھ مانتے نہیں
پتھر ہیں قلب رحم کو ہم جانتے نہیں

غیظ آگیا یہ سنکے شہ نامدار کو — کھینچا کمر سے مثل علی ذوالفقار کو
جلوہ دیا جو صاعقۂ شعلہ بار کو — وہشت سے تپ چڑھا فلک بے مدار کو
سب کو یقیں ہوا کہ دو عالم الٹ گئی
روح الامیں بھی چھوڑ کے سدرہ کو ہٹ گئی

چمکی ادھر تو سیف شہنشاہ قلعہ گیر — کوندا ادھر زمیں پہ سمند فلک سریر
شوخی میں بے بدل تھا فراست میں بینظیر — کی تیز رو نے جست کہ نکلا کماں سے تیر
صرصر کبھی رکے بھی بھلا او پیچ پیچ میں
اترا صفوں کو پھاند کے لشکر کے بیچ میں

بجلی گری کہ تیغ شہ بحر و بر چلی — نکلی کمر سے بڑھکے تو بالائے سر چلی

پہنچی شکست ادھر یہ عدو کُش جدھر چلی　　آگے چلی جو فتح تو پیچھے ظفر چلی
گر گر کے پائمال زبردست ہو گئے
لشکر کے سربلند جواں پست ہو گئے

ڈھالیں اٹھا کے جب وہ ستم کی گھٹا بڑھی　　مانند برق کوند کے یہ جاں گزا بڑھی
ہرسو اٹھا یہ شور کہ موجِ فنا بڑھی　　وہ کیا بڑھی کہ کھولے ہوئے مُنہ قضا بڑھی
آفت کی تیغ تھی تو قیامت کا ہاتھ تھا
گویا چھری لئے ملک الموت ساتھ تھا

بازو کسی کا تن سے جُدا تھا کسی کا سر　　دو تھا بشکل لا کوئی گردن سے تا کمر
کوئی تڑپ رہا تھا ادھر اور کوئی ادھر　　بیٹے سے چھٹ گیا تھا پدر باپ سے پسر
بھاگڑ ہیں اہل ہوش بھی سب بیحواس تھے
زندہ جو تھے وہ کشتۂ تیغ ہراس تھے

اک وار روکنا انہیں دشوار ہو گیا　　دو ہاتھ جس جواں پہ چلی چار ہو گیا
جو آزمودہ کار تھا بیکار ہو گیا　　کٹ کر سروں کا کھیت میں انبار ہو گیا
سر انکے اڑ گئے جنہیں دعوٰی جدل کا تھا
روکے سپر کسے وہ طمانچہ اجل کا تھا

جس صف پہ جس پری یہ وہ خونخوار چل گئی　　ساتھ اسکے دشمنوں کے سروں پر اجل گئی
گویا چمک کے برق گری اور نکل گئی　　کُشتے تو کیا زمیں بھی حرارت سے جل گئی
رکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
شعلے پناہ مانگتے تھے اسکی آنچ سے

غل تھا الٰہی تیغ کا مُنہ ہے کہ قہر ہے دم خم میں گھاٹ باڑہ میں یکتائے دہر ہے
لوہے میں اسکے آگ ہے پانی میں زہر ہے تلوار کی لچک نہیں افعی کی لہر ہے
وہ زخم ہے اسی کا جو بھرتا نہیں کبھی
زہر اسکا جب چڑھا تو اترتا نہیں کبھی

چمکی وہ جب تو ہاتھوں سے ہتھیار گر پڑے گھوڑوں سے ڈر کے خاک پہ اسوار گر پڑے
سر کٹ کے پانچ سات کے اکبار گر پڑے آگے سے دو جو بھاگ گئے چار گر پڑے
بھڑکی تھی آگ ظلم کے جنگل میں ہر طرف
لامع تھی تیغ شام کے بادل میں ہر طرف

دو دنکی بھوک پیاس میں کیا کیا لڑے حسینؑ حیدر کی شان سے لبِ دریا لڑے حسینؑ
ایسا لڑا نہیں کوئی جیسا لڑے حسینؑ اللہ رے حرب لاکھوں سے تنہا لڑے حسینؑ

اتنے میں نماز ظہر کا وقت ہو جاتا ہے۔ آپ تلوار کو نیام میں رکھکر یاد الٰہی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ دشمنوں کو موقع مل جاتا ہے۔

یاں اسلحہ اتار کے رکھتے تھے زیں پہ شاہ جو پھر پڑی شکست اٹھائے ہوئے سپاہ
ابر ستم میں گھر گیا خیر النسا کا ماہ' تیغوں کی بجلیاں تھیں کہ اللہ کی پناہ
سینہ علی کے شیر کا غربال بن گیا
ناوک ہزارہا جو چلے جسم چھن گیا

تیغوں کے وار شاہ پہ چلتے تھے بار بار زخموں کا خون چہرے پہ ملتے تھے بار بار
لخت لہو کے مُنہ سے اگلتے تھے بار بار جھکتے تھے بار بار سنبھلتے تھے بار بار

آخر کار سید الشہداء ذوالجناح سے فرشِ خاک پر گر پڑتے ہیں۔

میر مونس

میداں میں آفتاب جب آیا زوال پر — نرغہ تھا ظالموں کا شہ خوشخصال پر
دو دن سے پانی بند تھا احمد کی آل پر — شدت تھی بھوک پیاس کی زہرا کے لال پر
گرمی یہ تھی کہ غش ہوئے جاتے تھے ہر گھڑی
سوکھی زباں لبوں پہ پھراتے تھے ہر گھڑی

لو چل رہی تھی چار طرف اڑ رہی تھی گرد — میدان رستخیز تھا وہ وادی نبرد
واں بار بار پیتے تھے اعدا تو آب سرد — یاں مارے پیاس کے رخ سبط نبی تھا زرد
کھانے سے سیر رن میں ہر اک بدخصال تھا
فاقے سے تین روز کے زہرا کا لال تھا

صبر و رضا

تنہا کھڑا تھا لاکھ جواں میں وہ حق شناس — جز بیکسی و یاس نہ تھا کوئی آس پاس
وہ دھوپ اور وہ بھوک وہ سولہ پہر کی پیاس — یہ سب صعوبتیں تھیں مگر کچھ نہ تھا ہراس
تیغ غم و الم سے کلیجہ دو نیم تھا
معنی یہ صبر کے ہیں کہ دل مستقیم تھا

یہ حال تھا کہ آنے لگے اس طرف سے تیر — تر ہو گیا لہو میں علی کا مہ منیر
آخر کمر سے کھینچ کے شمشیر بے نظیر — لشکر پہ جا پڑے صفت شاہ قلعہ گیر

حضرت مونس

جھپٹے جدھر کو تیغ دو پیکر علم کئے
مثل خیار تر سر اعدا قلم کئے

پسپا ہوئے جو غول سواروں کے ایکبار تب پیدلوں نے باندھ لی اک سمت کو قطار
بھالے سنبھالے ہاتھوں میں شامی کئی ہزار اک سو کمان و تیر لئے لیس بدشعار
یہ ابر ظلم آہ شہ دین پہ چھا گیا
غل تھا گہن میں فاطمہ کا چاند آ گیا

شانوں پہ تیغیں کھاتے تھے جب شاہ بحر و بر آتے تھے یاد حضرت عباس نامور
دریا کی سمت ہاتھ اٹھا کر بچشمِ تر کہتے تھے بھائی تمکو ہماری نہیں خبر
کیا سو رہے ہو حال پہ میری نظر کرو
تیغوں میں ہوں گھرا ہوا سینہ سپر کرو

ٹکڑے تھا سب عمامہ محبوب ذوالجلال ڈوبے ہوئے تھے خون میں زلفوں کے سارے بال
طاقت نہ تھی بدن میں ہوئے جاتے تھے نڈھال گھوڑے پہ غش میں جھومتے تھے شاہ خوشخصال
چھٹتی تھی باگ ہاتھ سے ہر دم جناب کے
پاؤں سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے

پیوست تیر ظلم تھے سینے سے تا کمر اور ٹکڑے ٹکڑے برچھیوں سے تھے دل و جگر
تیغوں سے دونو ہاتھ تھے مجروح سر بسر زخموں سے چور تھا بدن شاہ بحر و بر
کرتے تھے دل سے آہ سکینہ کے دھیان میں
کانٹے پڑے تھے پیاس کے مارے زبان میں

اک سنگدل عدو نے لگائی جو تیغ کیں بیکار آہ ہو گئے دست امام دیں
پھر گرز آہنی جو لگا شق ہوئی جبیں سمجھے کہ موت آگئی اب زندگی نہیں
آنکھوں میں ہائے پھر تو اندھیرا سا چھا گیا
صدمے سے نور عین علی کو غش آ گیا

حالتِ غش میں شمر آپ کے سر مبارک کو بدن اطہر سے علیحدہ کر دیتا ہے ۔

ہاں ای نشان لشکر مضموں بلند ہو ہاں فکر نظم مدح شہِ ارجمند ہو
دکھلا وہ رزم بزم جو عالم پسند ہو مجمر ہو ماہ دانۂ انجم سپند ہو
ای طوطی زباں وہ فصاحت کا رنگ ہو
بلبل بھی سُنکے نغمۂ رنگیں کو دنگ ہو
لکھوں جو حال بادشہ آسماں وقار شہباز فکر طائرِ مضموں کرے شکار
پھر جائے سب کی نظروں میں تصویر کارزار قرطاس پر رواں ہو قلم مثل ذوالفقار
نقشہ کھنچے جو دشتِ ستم کی ستیز کا
خامے پہ اشتباہ ہو شمشیر تیز کا

حضرت امام حسینؑ میدان کارزار کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔

کہتی ہی باپ سی یہ سکینہ بصد فغاں بابا ہمیں بھی لیتے چلو جاتے ہو جہاں

کہتی ہیں شہ کہ ای مری آرام جسم و جاں کیا تم سے میں بتاؤں کہ جاتا ہوں میں کہاں
جاتا ہوں واں جہاں کا ذرا بھی پتا نہیں
کوئی کفیل ذاتِ خدا کے سوا نہیں

یہ سُنکے رو رہی ہی سکینہ قریب در کرتی ہی عرض خدمت شہ میں بچشم تر
میری کبھی نہ ہوگی بغیر آپ کے گذر میں بھی چلونگی آپ کے ہمراہ اے پدر
جاتے ہیں آپ مجھکو جدا کر کے ساتھ سے
چھوڑونگی میں تو آپکا دامن نہ ہاتھ سے

فرماتے ہیں یہ شہ ابھی آؤنگا چند بار بیٹھو پھوپھی کے پاس تم ای میری گلعذار
دیکھو تو سرخ ہو گئے ہیں پھول سی عذار بہرِ خدا نہ ہٹ کرو روؤ نہ زار زار
لازم ہی تمکو یہ کہ خدا سے دعا کرو
ہر حال میں زبان سی شکرِ خدا کرو

آخر کار

زورِ بیان

مقتل کو شاہ دیں کی سواری رواں ہوئی زلفوں سی بوئی مشک تتاری رواں ہوئی
تصویر نور قدرت باری رواں ہوئی گلگوں چلا کہ باد بہاری رواں ہوئی
سرعت کا اسکی یہ دم رفتار حال تھا
پیکِ نگہ کو ساتھ ٹھہرنا محال تھا

ذوالجناح کی تعریف

شوخی میں تھا غزال تو صورت میں تھا پلنگ سیماب آگ پر تھا تو دریا پہ تھا نہنگ

رفتار اپنی کیا وہ دکھاتا تھا بیدرنگ تھی وسعتِ جہاں اسی کنج قفس سی تنگ
اڑتا تھا بار بار بہت بیقرار تھا
دوشِ صبا پہ اسپ سبکرو سوار تھا

یکتائی روزگار تھا وہ اسپ بیمثال رفتار میں تھا کبک تو شوخی میں تھا غزال
آہو کی جست شیر کا حملہ پری کی چال تھے اسکی چال سی دلِ طاؤس پائمال
آتا تھا اسطرح سی صفِ کارزار میں
بیخوف شیر جاتا ہی جیسے کچھار میں

اندازِ بیان

دیکھا عدو نے شاہ نظر آئے دور سے معمور دشت ہو گیا حضرت کے نور سے
روشن زمیں تھی حُسنِ امامِ غیور سے رتبہ ہر اک پہاڑ کا افزوں تھا طور سے
ریتی پہ فیض سبط رسالت مآب سے
ذرّے نظر ملانے لگے آفتاب سے

رزمیہ

آتے تھے اسطرف سی شہنشاہ بحر و بر ناگاہ فوج شام میں باجے بجے ادھر
قرنا کے غلغلے سی ہلا کوہ کا جگر نقارۂ وغا سی ہلے رن کے دشت و در
حضرت کا غیظ قہر خدائے صمد ہوا
دریا کی طرح فوج میں بھی جزر و مد ہوا
لشکر میں اہل ظلم کے ہونے لگی پکار ہاں ای دلیرو جلد بڑھو بہر کارزار
یہ سنکے فوج ظلم بڑھی رن سی بیشمار نکلی ادھر نیام سے شمشیر شعلہ بار

صمصام شاہ کی جو ضیا تا فلک گئی
نظروں میں آفتاب کے بجلی چمک گئی

تلوار کی تعریف

کیا کیا برش دکھاتی تھی وہ دستِ شاہ میں
تھالے بھری تھی خون کے ہر سمت راہ میں
پھرتی تھی مثل مرگ ہر اک کی نگاہ میں
بجلی چمک رہی تھی عدو کی سپاہ میں
دہشت ہوئی جو تیغ رسالت مآب کی
روکی فلک نے منہ پہ سپر آفتاب کی

کیا آب و تاب جنگ میں اس شعلہ خو کی تھی
کھاتی تھی استخواں یہ غذا جنگجو کی تھی
پیاسی وہ تیغ اہل ستم کے لہو کی تھی
عاشق حسینؓ کی تھی تو دشمن عدو کی تھی
گردن جھکی تھی اسلئے اس شعلہ رنگ کی
رہتی تھی جستجو میں وہ ہر وقت جنگ کی

لطافتِ بیان

اوصافِ ذوالفقار علی کیا لکھے قلم
معشوق کج ادا تو نرالی وہ چم وہ خم
شفاف آبدار جہاں سوز برق دم
آتش مزاج شوخ طبیعت جفا شیم
بجلی چمک میں تھی تو برسنے میں ابر تھی
معشوق کا مزاج تھی عاشق کا صبر تھی

حاضر جواب آپ بھی فقرے بھی خوب تیز
بیباک خانہ جنگ طرحدار شعلہ ریز
وہ شوخ جسکو آئے نہ آرام بے ستیز
عالم فریب آفتِ دوران و فتنہ خیز

کیوں آبرو سوا نہ ہو اُس خوشخصال کی
پہلو نشیں ہو فاطمۂ زہرا کے لال کی

آتش فشان و تفرقہ پرداز و جنگ جو سر تیز و بے پناہ و دل آزار و شعلہ خو
لیلیٰ ادا و خوش قد و خونخوار و ترش رو تھی بینظیر اس میں نہیں جائے گفتگو
جوہر سے آشکار تھے ساماں عروس کے
گویا چُنی تھی ماتھے پہ افشاں عروس کے

اعدا کے سر کو کاٹ کے براں تھی تیغ تیز کشتیٔ زیست کے لئے طوفاں تھی تیغ تیز
میداں جنگ میں شرر افشاں تھی تیغ تیز اور ناریوں کو آتش سوزاں تھی تیغ تیز
کہتے تھے یہ عدو کہ عجب اسکی لاگ ہے
پانی نہیں ہے تیغ دو پیکر میں آگ ہے

سہمے ہوئے تھے خوف سے ناوک فگن تمام مانند بید کانپتے تھے تیغ زن تمام
تھے جنکو خوب یاد لڑائی کے فن تمام ٹھہرے نہ پاؤں بھول گئے بانکپن تمام
ہلچل ہوئی یہ فوج ضلالت صفات میں
جا جا کے آپ گرتے تھے ظالم فرات میں

جاتی تھی ہر طرف وہ عدو کے سراغ میں پھرتی تھی سیر کرنے کو زخموں کے باغ میں
بستی تھی مثل نکہتِ گل سر دماغ میں آتی تھی صدر کاٹ کے دل کے ایاغ میں
وہ بہر رہروانِ عدم خانہ بن گئی
فانوس تن میں شمع کا پروانہ بن گئی

بجلی کی طرح فرق پہ آئی چلی گئی ندی عدو کے خون کی بہائی چلی گئی

اپنی چمک صفوں میں دکھائی چلی گئی لالی لبوں پہ خون کی جمائی چلی گئی
خون عدو سے جسم کی رنگت جو لال تھی
خود اپنی سج پہ تیغ دو پیکر نہال تھی
میداں میں شاخ تیغ علی پر بہار تھی ڈوبی ہوئی لہو میں دم کارزار تھی
گردن پہ سرکشان عرب کے سوار تھی کشتوں کے خوں سے رن کی زمیں لالہ زار تھی
آتی تھی وہ خزاں کیطرح جس قطار میں
غل تھا کہ باغ لٹتا ہے فصل بہار میں
ناگاہ غل ہوا شہ والا پناہ دو اکبر کی نوجوانی کا صدقہ پناہ دو
تم کو قسم رسول کی مولا پناہ دو دریا رواں ہے خون کا شاہا پناہ دو
تلوار روک لو نہیں یارا ثبات کا
طوفاں میں آچکا ہے سفینہ حیات کا
دینے لگے جو رن میں دہائی ستم شعار بھر لائے اشک آنکھوں میں شبیر دلفگار
بس لڑتے لڑتے تھم گئے مولائے نامدار جلدی سے روک لی شہ مرداں نے ذوالفقار
دیکھا جو مضطرب سپہ بے دریغ کو
زیب کمر کیا شہ والا نے تیغ کو
رکنا تھا تیغ کا کہ ہوئی بارش خدنگ کچھ بت پرست آ گئے ہاتھوں میں لیکے سنگ
غل تھا گرا دو گھوڑے سے سرور کو بیدرنگ لڑنے کی پھر ہوئی سپہ شام کو امنگ
پڑنے لگے جو تیر شہ ارجمند پر
بیٹھے سنبھل کے قبلۂ عالم سمند پر

پیاسے جو تین روز سے تھے شاہ انس و جاں ہونٹوں پہ پھیر لیتے تھے سوکھی ہوئی زباں
ناگہ کسی کی پہلوئے چپ پر پڑی سناں دریا لہو کا پہلوئے شہ سے ہوا رواں
ہمدم کوئی نہ تھا شہ عالی مقام کا
پر ضعف جسم ساتھ دیئے تھا امام کا

میداں میں اس طرح سے کھڑے تھے شہ زماں آنکھوں میں اشک تن پہ جراحت لہو رواں
ناطاقتی تھی چہرۂ شبیر سے عیاں خم ہو گئے تھے ضعف سے شہ صورت کماں
طاقت نہ پاؤں میں تھی نہ ہاتھوں میں زور تھا
جلدی کرو تھی قتل پہ اعدا میں شور تھا

تنہا تھے دشت ظلم میں شبیر حق شناس دل سے خوشی تو دور تھی رنج و الم تھی پاس
وہ لو وہ دھوپ اور وہ سولہ پہر کی پیاس تھا صبر یہ کہ اس پہ بھی مطلق نہ تھا ہراس
تھی حق سے عرض گو کہ اسیر ستم ہوں میں
لیکن ہزار شکر کہ ثابت قدم ہوں میں

حق سے یہ عرض کرتے تھے شبیر با کرم اور تیر آکے لگتے تھے سینے پہ دمبدم
تلواریں سر پہ مارتے تھے بانئ ستم چپکے کھڑے ہوئے تھے شہنشاہ ذی حشم
ٹکڑے جو تن تھا فاطمہ زہرا کے ماہ کا
نعرہ بلند قلب سے تھا آہ آہ ! کا

حضرت امام حسینؑ صبر و استقلال کی زندہ تصویر تھے اور کسی حالت میں بھی دامن تسلیم و رضا کو ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ مگر

گوشت پوست کا مجموعہ انسان چاہے کتنا ہی صابر و مستقل المزاج کیوں نہ ہو پھر بھی انسان ہے - اور اقتضائے بشریت سے مجبور ہو کہ جوانمرگ عزیزوں کی موت سے فطری طور پر متاثر ہو اور انکی بے کفن لاشوں سے آخری وقت تک عبرت پذیر ہوتا رہے۔

اس حال میں بھی تھی شہ دیں کی یہ آرزو بھائی کی لاش دیکھ لوں جا کر کنار جو
آئی فرات سے جو برادر کے خوں کی بو بس تھر تھرا کے رہ گئے شبیر نیک خو
لاشے پہ شہ نے بھائی کے جسدم نگاہ کی
رکھکر کمر پہ ہاتھوں کو اک دل سے آہ کی

لاشے پہ بیحواس کھڑے تھے شہ امم بھائی کو زخمی دیکھ کے طاری تھا جو الم
کہنے لگے یہ رو کے شہنشاہ باکرم جیتا ہمیں نہ چھوڑیگا بھائی تمہارا غم
لیٹے ہو فرش خاک پہ خیمے سے آنکے
ای ابن بو تراب فدا تیری شان کے

دل بیقرار ہے مرے جانی جواب دو عباس کیا ہوئی وہ جوانی جواب دو
کہتے تھے ہم پلائینگے پانی جواب دو باتیں وہ پیار کی تھیں زبانی جواب دو
تمنے تو باغ خلد کی لی راہ بھائی جان
لاکھوں میں ہمکو چھوڑ گئے واہ بھائی جان

یہ کہہ کے رو رہے تھے شہنشاہ کربلا ناگاہ لاشہ علی اکبر نظر پڑا
بیتاب ہو کے کہنے لگے یہ شہ ہدا بیٹا گلے سے اٹھکے لگاؤ ہمیں ذرا

ای نورِ عین آنکھ کو کیوں کھولتے نہیں
بیٹا پکارتا ہی پدر بولتے نہیں

پھر شاہ دیں نے رو کے کئے اسطرح سے بین
اکبر تمہارے بن نہیں آئیگا مجھ کو چین
بولو ذرا پکار رہا ہی تمہیں حسینؑ
آنکھیں پھرالیں باپ سے کیوں میرے نورِ عین

چھوڑا پدر کو تھی یہ توقع نہ آپ سے
اچھا سلوک تمنے کیا اپنے باپ سے

شیریں بیان و خوش قد و غنچہ دہن مرے
نازک مزاج و سیمبر و گلبدن مرے
پیارے مرے غیور مرے کم سخن مرے
غازی مرے شہید مرے صف شکن مرے

میرا بھی ہاتھ تھام کے لللہ لے چلو
بیٹا اٹھو پدر کو بھی ہمراہ لے چلو

اچھا یہی بتاؤ کدھر جاؤں کیا کروں
کسطرح اپنے دلکو میں سمجھاؤں کیا کروں
سینے کا داغ کسکو میں دکھلاؤں کیا کروں
ای نورِ عین تجھکو کہاں پاؤں کیا کروں

چُپ کیوں پڑے ہو خاک پہ کچھ بات تو کرو
بیٹا اٹھو پدر سے ملاقات تو کرو

فرقت میں تیری سبط پیمبر ہلاک ہے
بیٹا نہ ہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے
زخموں سے چور چور دل دردناک ہے
غش آرہے ہیں قلب حزیں چاک چاک ہے

کچھ بھی نہ اس پدر کا خیال آگیا تجھے
اے میرے آفتاب زوال آگیا تجھے

مرجھا گئی یہ پھول سے رخسار لالہ زار　　دیکھی نہ اپنے باغ جوانی کی کچھ بہار
رستہ یہ خوفناک ہے اے میرے گلعذار　　لینے چلو ہمیں بھی سفر میں پدر نثار
الفت کا رشتہ آپ نے توڑا حسین سے
کیا کچھ خفا ہو منہ کو جو موڑا حسین سے

بیٹا بڑے الم ہیں بصارت نہیں ہے اب　　بازو میں غم سے بھائی کے قوت نہیں ہے اب
ہمدم سوائے زخم و جراحت نہیں ہے اب　　لڑتے بہت یہ ہاتھ میں طاقت نہیں ہے اب
جو پاس تھے رفیق وہ سب دور دور ہیں
زخم سنان و تیغ سے ہم چور چور ہیں

یہ بین کر رہے تھے شہنشاہ تشنہ کام　　جو ہر طرف سے ٹوٹ پڑی فوج روم و شام
کھایا تبر جگر پہ لگی فرق پر حسام　　جان نبی کو آنے لگے موت کے پیام
خنجر تمام خون شہ دین سے لال تھے
تیور جو آ رہے تھے تو حضرت نڈھال تھے

گھوڑے پہ ڈگمگاتے تھے طاقت تھی ناتواں　　پڑتے تھے تن پہ تیر و تبر خنجر و سناں
رو کر فلک کو دیکھتے تھے شاہ انس و جاں　　کہتے تھے پھر کہ آیئے اب جلد بابا جان
طاری تھا ضعف تھم نہ سکے آہ زین پر
گھوڑے سے گر پڑے شہ والا زمین پر

لکھا ہے جب فرس سے گرا فاطمہ کا ماہ　　خنجر کو تیز کر کے بڑھا شمر رو سیاہ
کیوں چرخ بے مدار یہ لازم ہے آہ آہ　　خنجر ہو اور گلوئے شہنشاہ دیں پناہ

افسوس جو کہ باعث خلق انام ہو،
سیراب آب تیغ سی وہ تشنہ کام ہو

جسدم شہید ہوگیا رن ہیں علی کا لال　　خیمے سی نکلی ایک ضعیفہ بصد ملال
مٹی ملے تھی مُنہ پہ پریشاں تھی سر کے بال　　چلاتی تھی کدھر گیا زہرا کا نونہال
ڈھونڈوں کہاں ہیں جاکے تن پاش پاش کو
بتلا دے ای زمیں مرے بھائی کی لاش کو

ای ارض کربلا مہ کنعاں کدھر گیا　　ای آسماں وہ عیسی دوراں کدھر گیا
ای کربلا وہ خضر بیاباں کدھر گیا　　وہ ناخدائی کشتی ایماں کدھر گیا
ای نینوا نبی کے نواسے کو کیا کیا
ای نہر تین روز کے پیاسے کو کیا کیا

ای دشت مرتضیٰ کا وہ پیارا ہی کسطرف　　زہرا کا نونہال سدھارا ہی کس طرف
ای آفتاب چاند ہمارا ہے کسطرف　　زینب کی زندگی کا سہارا ہے کسطرف
اس فوج میں کدھر خلفِ بوتراب ہی
بھائی بغیر اب مری مٹی خراب ہی

مفارقتِ لپسر

جب چھُٹا شاہ سی فرزند جواں پیری میں　　لے گیا قوت دل راحتِ جاں پیری میں
ہوگیا چاند جو نظروں سی نہاں پیری میں　　فرطِ غم سی ہوا تاریک جہاں پیری میں

فرقتِ لختِ جگر قلب کو تڑپاتی تھی
لاش بیٹے کی نہ آنکھوں سے نظر آتی تھی

جوشِ غم سے دلِ مضطر جو نہ تھا قابو میں		کبھی لاشے کے سرہانے تھے کبھی پہلو میں
خونِ دل بہتا تھا مل ملکے ہر اک آنسو میں		نام طاقت کا نہ تھا جسم شہ خوشخو میں

تھے کبھی نالہ جانکاہ کبھی روتے تھے
ہاتھ سینے پہ کبھی مار کے غش ہوتے تھے

رکھکے منہ سینہ دلبند پہ کرتے تھے یہ بین		آہ ای راحتِ جاں ہای مری نور العین
ہجر میں روح کو راحت ہے نہ دلکو مرے چین		کہو پردیس میں کسطرح تمہیں ہای حسینؑ

ستم ایجادوں کے نرغے سے نکالو بیٹا
تم جہاں ہو وہیں بابا کو بلالو بیٹا

ای مری شیر جواں ای مری پیارے اکبر		ہائے ای نور نظر آنکھوں کے تارے اکبر
جانب خلد بریں تم تو سدھارے اکبر		زندہ در گور ہیں ہم غم میں تمہارے اکبر

آہ الفت کا جو رشتہ تھا اسے توڑ گئے
خلق میں کسکے سہارے پہ ہمیں چھوڑ گئے

ماتم شبیر اور تعزیہ خانے

غل ماتم شبیر کا ہے ارض و سما میں		ہیں جن و بشر حور و ملک آہ و بکا میں
فریاد کی آہنگ ہے باجوں کی صدا میں		کیا ذائقہ گریہ ہے اس ماہ عزا میں

ہے مدِ نظر سوگ شہنشاہ امم کا
دل روتے ہیں جنہیں وہ مہینہ ہے یہ غم کا
کیا شاد ہیں دل سے جنہیں غم کھانیکا ہے ذوق | یہ سعی ہے ایسی ہے عبادت پہ جسے فوق
بیڑی کوئی بچوں کو پہناتا ہے کوئی طوق | سقہ کوئی عباس کا بنتا ہے بصد شوق
کہتا ہے کوئی فخر کی دولت مجھے بس ہے
نام شہ بیکس پہ فقیری کی ہوس ہے
پانی کہیں ٹھنڈا کہیں شربت کی سبیلیں | ہیں کوثر و تسنیم کے لینے کی دلیلیں
ہے شور کہ بس ہیں یہی جنت کی سبیلیں | پیاسا ہو جنہیں آب خنک آج وہ پی لیں
ہو صرف سے نقصان یہ چشمہ وہ نہیں ہے
پیاسا نہ کوئی جائے کہ نذر شہ دیں ہے
اس چاند کو بخشا ہے عجب حسن خدا نے | جز صاحب عرفاں یہ شرف کیا کوئی جانے
کی جلوہ گری ماتم شاہ شہدا نے | تنویر سے ہیں برج قمر تعزیہ خانے
دن رات ہے رونق برکت آٹھ پہر ہے
اللہ کی قدرت کا سماں پیش نظر ہے
کعبہ ہے ہر اک تعزیہ خانہ پے ذی ہوش | مانند حرم ہیں در و دیوار سیہ پوش
ماتم کی کہیں دھوم ہے رقت کا کہیں جوش | کیا ذکر کہ ہو شمع بھی اس بزم میں خاموش
واجب ہے طواف اسکا ہر اک جن و ملک پہ
کعبہ ہے یہاں مسجد اقصیٰ ہے فلک پہ

ان تعزیہ خانوں کے چراغوں میں ہے وہ ضو　　گردن کو جھکائی ہے خجالت سے مہِ نو
اس نور سے ہے گرد مہ و مہر کا پرتو　　دائم انہیں تاروں سے ستاروں کی لگی لو
یہ جلوۂ جاں بخش عجب روح فزا ہیں
روشن ہے کہ داغ جگر اہل عزا ہیں

یہ روشنیٔ طور ہے یا نور ولا ہے　　اس نور سے آئینۂ خاطر کی جلا ہے
پروانۂ نو روز چراغوں کو ملا ہے　　پھولا ہے چمن غنچۂ امید کھلا ہے
دل باغ ہے وہ تازگیٔ حسن اثر ہے
وہ رنگ ہے یاں شمع کا گل بھی گل تر ہے

کیونکر نہ ہو ہر تعزیہ خانے کی یہ طلعت　　اس برج میں کرتا ہے گذر مہر امامت
ہوتی ہے مبدّل بہ ضیا ہند کی ظلمت　　یہ حسن خداداد ہے حضرت کی بدولت
رویت کے لئے محوِ دعا ہر کہ و مہ ہے
کہتے ہیں جسے چاند محرم کا وہ یہ ہے

ہاں اہل عزا واجب عینی ہے ہر اک پر　　مہمان ہے نورِ نظرِ ساقی کوثر
آئی شہِ دین نذر کرو اشک کے گوہر　　مہماں کو جو مرغوب ہو دعوت ہے وہ بہتر
آنسو نہیں درمانِ دل صاحب غم ہے
یہ مرہم زخمِ تن سلطان امم ہے

سادات پہ تھا بند اسی فصل میں پانی　　ان روزوں میں کرتے تھے حرم اشک فشانی
لب تشنہ ہوا ذبح ید اللہ کا جانی　　وہ خشک گلا اور وہ خنجر کی روانی

اس فصل میں گھر سبط پیمبر سے چھٹا ہے

زہرا کا گلستاں اسی موسم میں لٹا ہے

ہاں یاد کرو بے سروسامانیٔ شبیر — وہ صدمۂ غربت وہ پریشانیٔ شبیر

ہو آب دم تیغ پہ مہمانیٔ شبیر — وہ عید محرم کی وہ قربانیٔ شبیر

لو چلتی تھی گرمی تھی غضب دھوپ کڑی تھی

مقتل میں برادر تھا بہن در پہ کھڑی تھی

جز بیکسی و یاس نہ ہمدم تھا نہ غمخوار — سوتے تھے پڑے خاک پہ سب یاور و انصار

ابر سیہ شام تھا اور تیروں کی بوچھار — کیا وقت تھا زخم تن صد چاک تھے خونبار

واں فوج ستم مائل بیداد گری تھی

یاں عصر کے ساعت کی فقط منتظری تھی

تھا دھوپ سے بےچین شہنشاہ مدینہ — زخموں سے ٹپکتا تھا لہو رخ سے پسینہ

ڈیوڑھی پہ حرم پیٹ رہی تھی سر و سینہ — زینب سے یہ ہر مرتبہ کہتی تھی سکینہ

میں کرتی ہوں منت شہ والا کو بلا دو

اچھی پھوپھی اماں مرے بابا کو بلا دو

ہے ہے مرے مظلوم پدر پر یہ مصیبت — روتا ہے ہر اک صبح سے کچھ نہ کچھ آفت

گرمی یہ قیامت کی ہوا اور دھوپ کی شدت — کیا بات ہے کیوں خیمے میں آتے نہیں حضرت

آواز چچا جان بھی دیتے ہوئے آئیں

بھیا علی اکبر کو بھی لیتے ہوئے آئیں

دل تھام کے دی دختر زہرا نے یہ آواز — دم بھر کو یہاں آئیے یا شاہ سرافراز

مدت ہو جسے آپنے پالا تھا بصد ناز نزدیک ہے یہ روح کرے جسم سے پرواز

ہے لب پہ فغاں چپ نہیں ہوتی ہے سکینہ
حضرت کیلئے دیر سے روتی ہے سکینہ

پہنچی جو یہ آواز تو پھر تاب نہ آئی خیمے کیطرف باگ شہ دیں نے پھرائی
آمد کی خبر بالی سکینہ نے جو پائی پردے کو وہ معصوم ہٹا کر نکل آئی

دیکھا نہ کسی اور طرف شوق میں پھر کر
پر ضعف یہ تھا ہو گئی غش خاک پہ گر کر

گھوڑے سے اتر کر اسے حضرت نے اٹھایا پونچھا رخ پر گرد کلیجے سے لگایا
طاقت نہ رہی ضبط کی رو کر یہ سنایا لو آنکھوں کو کھولو کہ یہ بیکس پدر آیا

مجبور ہیں فرصت نہیں اندوہ و محن سے
بیٹی کی کشش کھینچکے لے آئی ہے رن سے

جو دم ہے غنیمت ہے کہ فرصت ہے بہت کم ہاں آخری رخصت کیلئے آئے ہیں اب ہم
تھی باپ کی شیدا جو نہ دل سے وہ پرغم جسدم یہ سنا کھولدیے دیدۂ پرنم

پھر رو کے یہ بولی کہ حضور آج کہاں تھے
یہ حال تھا دریا مری آنکھوں سے رواں تھے

بابا میں تمہیں ڈھونڈھتی تھی خیمے میں ہر بار رو کہ کبھی بیہوش ہوئی اور کبھی ہشیار
لی آکے نہ بیٹی کی خبر یا شہ ابرار رلوایا مجھے دیکھ لیا آپکا بس پیار

پانی نہ بھتیجی کو دیا پیاس میں لاکر
عباس بھی واں بیٹھ رہے منہ کو چھپا کر

اماں بھی ہیں چپ اور پھوپھی اماں ہیں پریشان — مُنہ دیکھتے اک ایک کا ہوتی ہے یہ حیران
بھیّا علی اکبر ہیں نہ قاسم نہ چچا جان — کیا گذری سکینہ پہ کسی کو یہ نہیں دھیان
آفت کا یہ جنگل ہے یہ منزل ہے غضب کی
اس دشت میں آتے ہی نظر پھر گئی سب کی

قسمت نے کہاں لا کے تباہی میں ہے ڈالا — کیوں ایسی مصیبت میں ہمیں گھر سے نکالا
آفت ہے یہ اور کوئی نہیں پوچھنے والا — اٹھ چلیے یہاں سے کہیں اور اے شہ والا
ماتم کا کبھی غل ہے کبھی سینہ زنی ہے
کیسی یہ جگہ ہے کہ میرے دم پہ بنی ہے

آندھی کے سبب دنکو بھی ملتا نہیں سونا — یہ حال ہے ہے ریت کا خیمے میں بچھونا
وہ ڈوبنا دن کا وہ میرا شام سے رونا — بجھنا وہ چراغوں کا وہ اندھیر کا ہونا
دل ہوتا ہے ٹکڑے کسی بی بی کی فغاں ہے
کیا جانئے آتی ہے یہ آواز کہاں سے

آ نکلے کہاں اور کہاں کے تھے ارادے — ہے کون جو اس راہ میں منزل کا پتہ دے
دھڑکوں میں ہے سب گھر کا گھر آرام خدا دے — ایسا نہ ہو خیمے میں کوئی آگ لگا دے
لالے ہیں پھوپھی جان کو بیوادی کی ردا کے
لٹ جائیں نہ جنگل میں حرم شبیر خدا کے

نادان کی باتوں سے لگے تیر جگر پہ — شبیر ادھر روئے ادھر آل پیمبر
منہ چوم کے فرمایا کہ بی بی نہ ہو مضطر — جیتے ہیں ابھی ہم تمہیں کس بات کا ہے ڈر

اب تک تو نہ تم دور نہ ہم دُور ہیں بیٹی
پر گردش تقدیر سے مجبور ہیں بیٹی
ای جان پدر ہم کو یہ غم کب ہے گوارا کیا ضبط کریں آہ نہیں ضبط کا یارا
اچھا جو یہاں دل نہیں لگتا ہے تمہارا کل صبح کو ہوتا ہے رواں قافلہ سارا
کیوں روتی ہے چلنے پہ کمر کستے ہیں ہم بھی
کھٹکا نہیں جس جا ہیں چل بستے ہیں ہم بھی
اللہ نگہبان بس اب رنج نہ کھاؤ جاتے ہیں ہم اک کام کو تم خیمے میں جاؤ
بانو سے اشارہ کیا صاحب ادھر آؤ ڈیوڑھی پہ کھڑی دور سے آنسو نہ بہاؤ
ہے وقت کشش یاد کرو ربّ زمن کو
لیجاؤ مری گود سے اس غنچہ دہن کو
کہکر یہ سخن اشک ٹپکنے لگے پیہم پُر آب ہوئے شاہ کے بھی دیدۂ پُر نم
فرمایا کہ صاحب یہی دنیا کا ہے عالم یہ گھر وہ ہے جس میں کبھی شادی ہے کبھی غم
عاقل کبھی ویرانہ کو بستی نہیں کہتے
اس ہستیٔ موہوم کو ہستی نہیں کہتے
افسوس حرم کرتے رہے گریہ و زاری اور رن کو گئی سبط پیمبر کی سواری
تھا دور خزاں کا کہ چلی باد بہاری حیران ہوئے نور خدا دیکھ کے ناری
اس حسن سے دو چند ہوئی شان زمیں کی
ذرّوں پہ نظر پڑنے لگی مہر مبیں کی
سب فوج سوئے گلشن فردوس سدھاری میدان میں اب شاہ شہیداں کی ہے باری

مشتاق شہادت ہی جو یہ عاشق باری ہی کلمۂ توحید لب خشک سے جاری
گلگوں ہی قبا زخم ستاروں سے سوا ہیں
پھولی ہی شفق جلوۂ اسرار خدا ہیں

تنہائی و بیکسی

جب دوپہر جدال میں گذری حسینؑ پر غلبہ کیا عطش نے شہ مشرقین پر
کیا بیکسی تھی فاطمہ کے نور عین پر دل پاش پاش ہوتے تھے بیبیوں کی بین پر
بیہوش فرش خاک پہ ہر دردمند تھا
غل العطش کا خیمۂ شہ سے بلند تھا

وہ دوپہر کا وقت حرارت یہ آفتاب بے سایہ دھوپ میں تھا پیمبر کا ماہتاب
شہ پانی مانگتے تھے مگر تھا بہت حجاب اپنے سوال کا بھی نہ پاتے تھے کچھ جواب
آتا تھا غش پہ غش خلف بوتراب کو
اتنا نہ تھا کوئی جو سنبھالے جناب کو

قربوس پہ تھا سر شہ دیں کا جھکا ہوا عمامۂ رسول خدا تھا کٹا ہوا
اصغر کے خوں سے چہرۂ انور بھرا ہوا زخموں سے چور چور تھا گھوڑا اکھڑا ہوا
تابش سے آفتاب کی تغئیر حال تھا
لوہا زرہ کا جسم مبارک پہ لال تھا

طلوعِ سحر

جب آسماں پہ گلشنِ انجم خزاں ہوا سلطانِ شرق تختِ فلک پر عیاں ہوا
نورِ رخِ سحر سے منور جہاں ہوا سامانِ قتلِ سرورِ تشنہ وہاں ہوا

اس وقت

آثارِ صبح دیکھ کے شاہ فلک جناب اٹھے وظیفۂ سحری کے لئے شتاب
کرتا وضو کہاں سے جگر بندِ بوتراب تھا آبدار خانہ میں دو دن سے قحطِ آب
تھیں آنسوؤں سے آنکھوں کی نہریں بھری ہوئیں
خالی صراحیاں تھیں گھڑوں پہ دھری ہوئیں

سبطِ نبی نے کر کے تیمم پڑھی نماز جس دم سلام پھیر چکے سرورِ حجاز
مانگی دعا زمیں پہ جھکا کر سرِ نیاز اے بادشاہِ خلق دو عالم کے کارساز
دل زندگی سے سیر ہے مجھ تشنہ کام کا
قربان تیری راہ میں ہے سر امام کا

یارب میں تیرا بندۂ طاعت گزار ہوں مظلوم ہوں امام ہوں شب زندہ دار ہوں
بیکس ہوں تشنہ لب ہوں غریب الدیار ہوں سو جاں سے نام پاک پہ تیرے نثار ہوں
اے کردگار واسطہ اپنے حبیب کا
ہو خاتمہ بخیر حسین غریب کا

وظیفۂ سحری سے فارغ ہو کر خیمہ سے باہر تشریف لائے

نکلے جو شاہ تھا عجب اسوقت رخ پہ نور تھی شمع دیں کی روشنی صحرا میں دور دور
بڑھکر پکارتے تھے نقیبان باشعور ہشیار ہو محل سے برآمد ہوئے حضور

لاؤ سواری بادشہ مشرقین کی
ہی آج آخری یہ زیارت حسینؑ کی

مجرا کیا رفیقوں نے جھک کر بصد ادب　　پروانہ وار گرد لگے پھرنے سب کے سب
جس دم ہوئی سوار شہنشاہ تشنہ لب　　فوجِ عدو سی چلنے لگے تیر ہے غضب
ڈھالوں کا ابر چھا گیا مولا کے سامنے
سینہ سپر غلام تھے آقا کے سامنے

زخمی ہوئے جو دلبر زہرا کے جاں نثار　　لی سب نے شہ سی رخصتِ میدان کارزار
رکھتے تھے شوق خلد نہایت وہ باوقار　　تیغوں سی ٹکڑے ہو گئے جا جا کے بار بار
شہ کو ہر ایک یاور و ناصر کا داغ تھا
سب سی زیادہ ابن مظاہر کا داغ تھا

پھر آپ کے عزیز آمادۂ جدال ہوئے - اور یکے بعد دیگرے کام آئے - یہانتک کہ حضرت علی اصغر کا معصوم گلا بھی تیروں سی چھد گیا - اب امام عالیجاہ بالکل اکیلے اور بے یار و مددگار رہ گئے - فوجِ شام نے آپکو نرغے میں لے لیا - چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی -

تا دیر دھوپ میں جو لڑے شاہ انس و جاں　　اور زخمی آپ بھی ہوئے کھا کھا کے برچھیاں
فرط عطش سی منہ میں لگی اینٹھنے زباں　　سر تا قدم تھا جسم سی دریائے خوں رواں
تیغیں جو رن میں چاند سی سینے پہ چل گئیں
بس یک بیک قدم سی رکابیں نکل گئیں

آخرکار آپ مدہوش ہو کر فرش خاک پر گر پڑتے ہیں۔ اور شمر آپ کا سر مبارک بدن سے جدا کر دیتا ہے ؞

حضرت امام حسینؑ میدان کارزار میں پہنچ چکے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ کہ اسوقت

ہر طرف پاس سے تکتے تھے شہنشاہ امم　　تھا کوئی دوست نہ غمخوار نہ کوئی ہمدم
دور تک تیغیں ہی تیغیں نظر آتی تھیں علم　　کہیں خنجر کہیں نیزے تھے کہیں تیر ستم
امڈے آتے تھے لعیں دشتِ جفا سے لاکھوں
ایک مظلوم کے تھے خون کے پیاسے لاکھوں

اتنے میں بڑھنے لگے برچھیوں والے خونخوار　　اور کمانداروں نے چلّوں سے ملائے سوفار
نیزے چمکانے لگے فوج سے بڑھ بڑھ کے سوار　　کھل گئے سرخ پھریرے علموں کے اکبار
لاکھوں تلواریں تھیں دو روز کے پیاسے کیلئے
سب یہ ساماں تھے محمدؐ کے نواسے کے لئے

رن میں بجلی کو خجل کرتی تھی تیغوں کی چمک　　ابر ڈھالوں ہی کا چھایا ہوا تھا دور تلک
دل ہلا دیتی تھی نقارۂ رزمی کی گمک　　عربی باجوں کی جاتی تھی صدا تا بفلک
انبوہ فوج کو آمادۂ بے ادبی دیکھکر
ناگہاں گھوڑے کو چمکا کے پکارے شہ دین　　اے لعینو ہمیں سر کٹنے کی کچھ فکر نہیں
رہ خالق میں تصدق ہے مری جان حزیں　　ہے بدن وقف سناں و تبر و خنجر کیں

عین راحت ہے اگر چرخ نے دُکھ ڈالا ہے
ہمکو زہرا نے اسی دن کے لئے پالا ہے

اتنے میں شہ پہ ہوا تیر ستم کا باراں — جا بجا جسم مبارک میں در آئے پیکاں
آگیا طیش ہوا آنکھوں میں تاریک جہاں — کہکے یا شاہ نجف کھینچ لی تیغ دو زباں
چمکی اک برق جو رانوں میں دبایا گھوڑا
بیچ میں فوج ستم کے نظر آیا گھوڑا

لڑائی شروع ہوتی ہے آپ ذوالفقار سے فوج کا ستھراؤ کر دیتے ہیں

کہیں سر لوٹتے تھے ہاتھ کہیں اور کہیں تن — خوں کے تھالوں سے ہوئی رن کی زمیں رشک چمن
آپ بھی غرق لہو میں تھے شہ تشنہ دہن — کہیں نیزوں سے کہیں تیروں سے گھائل تھا بدن
زخم اس شکل سے آتے تھے نظر سینے میں
جسطرح پھول بچھا دیتے ہیں آئینے میں

وہ حرارت وہ تب و تاب وہ ہنگام زوال — صورتِ مہر فلک دھوپ سے رخسار تھے لال
اینٹھی جاتی تھی زباں پیاس کی شدت تھی کمال — دمبدم ضعف سے اعضا ہوئے جاتے تھے نڈھال
طیش آجاتا تھا جب اہل ستم گھیرتے تھے
ہاتھ زخمی تھے پہ لاکھوں سے نہ منہ پھیرتے تھے

مگر ایک سپاہی چاہے کتنا ہی سر فروش اور بہادر کیوں نہ ہو۔ اتنے کثیر لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امام عالیجاہ کئی سپاہیوں کو موت کی گھاٹ اتار کر آخر خود بھی نشانۂ تیر قضا ہو جاتے ہیں۔

جب سرورِ تنہا سے مقابل ہوئے اعدا لڑنے کو صف آرا لبِ ساحل ہوئے اعدا
انجام کو سمجھے نہ یہ غافل ہوئے اعدا قتلِ شہِ مظلوم پہ اک دل ہوئے اعدا
پایا جو اکیلا اسدِ حق کے پسر کو
ہالے میں لیا فوج نے زہرا کے قمر کو

بھالوں کو سنبھالے تھے سوارانِ جفا کار تلواریں لئے منہ پہ چڑھے آتے تھے غدار
اک چاند سا سینہ کئی سو ناوک خونخوار خنجر بہت اور ایک گلوئے شہِ ابرار
آزار رساں سنگدل ایک ایک لعیں تھا
سب گرد تھے اور بیچ میں وہ قبلۂ دیں تھا

گرمی کی وہ دھوپ اور وہ ہجوم الم و یاس فاقہ وہ کئی شب کا کئی روز کی وہ پیاس
آنا تھا نظر نکتے تھے جس وقت چپ و راس مردہ ادھر اکبر کا ادھر لاشۂ عباس
زینب کے پسر خوں میں کہیں لال پڑے تھے
رہواروں سے قاسم کہیں پامال پڑے تھے

نرغے سے نکل جاتے کدھر راہ کہاں تھی بڑھتے تھے جدھر تیغ تھی برچھی تھی سناں تھی
سوکھے ہوئے تھے پیاس سے لب خشک زباں تھی پانی تو کہاں نہر بھی آنکھوں سے نہاں تھی
جھونکا کوئی آجاتا تھا جب سرد ہوا کا
فرماتے تھے شاہ شہدا شکر خدا کا

آپ لشکر شام سے پانی طلب کرتے ہیں۔ مگر ادھر سے ٹکا سا جواب ملتا ہے۔ آپ غضبناک ہو کر فرماتے ہیں۔

حجت بھی ہوئی ختم نہیں عجز کا ہنگام ہشیار کہ بڑھتا ہوں میں اب کھینچ کے صمصام
یہ کہتے ہی اس پیاسے پہ امڈی سپہ شام چلنے لگے تیر آنے لگے موت کے پیغام
چلاتے تھے خادم عمر و سعد شقی کے
ہاں چھان دو سینے کو حسین ابن علی کے

یوں ناوک بیداد چلے آتے تھے بیحد ہو شمع پہ جس طور سے پروانوں کی آمد
اندھیر تھا ایک ایک جفا جو کو یہ تھی کد بجھ جائے چراغ لحد پاک محمد
پر شیر کے نعرے سے دہل جاتے تھے اعدا
خود شعلۂ شمشیر سے جل جاتے تھے اعدا

حضرت نے کیا باتوں سے توسن کو اشارا رہوار نے لشکر تہ و بالا کیا سارا
گھبرا کے لعیں کر گئے دریا سے کنارا پہنچا سر ساحل اسد اللہ کا پیارا
لاکھوں سے جو لڑ کر شہ خوشخو نکل آئے
پانی کی طرف دیکھ کے آنسو نکل آئے

یاد آگیا بس پیاس سے اصغر کا تڑپنا تڑپانے لگا دل کو برادر کا تڑپنا
آنکھوں کے تلے پھر گیا اکبر کا تڑپنا پانی کے لئے لاڈلی دختر کا تڑپنا
فرمایا نبی زادوں کا قاتل ہے یہ پانی
کیا پانی پیوں زہر ہلاہل ہے یہ پانی
گھوڑے سے یہ فرما کے چلے نہر سے باہر پھر چلنے لگے تیر و تبر نیزہ و خنجر
ٹپکا تھا لہو ریش پہ ہونٹوں سے جو بہ کر تھا خون کے قطروں سے گریبان قبا تر

غل تھا پسر سدّ یو لاک ہے شبیرؓ
زخمی ہو مگر شیر غضبناک ہی شبیرؓ

جب صبح ہوئی قتل حسین ابن علی کی میداں میں صفیں بندھنے لگیں فوج شقی کی
باتیں یہ لعیں کرنے لگے بے ادبی کی ہم آج مٹا وینگے نشانی کو نبی کی
چھوڑینگے سلامت نہ کسی غنچہ دہن کو
تلوار ونسی کاٹینگے محمد کے چمن کو

وہاں اہل ستم کرتے تھے آپس میں یہ تقریر پوشاک پہنتے تھے ادھر خیمے میں شبیرؓ
حیران تھے ناموس نبی صورت تصویر سب کو یہ قلق تھا کہ چلی حلق پہ شمشیر
ماتم میں کوئی مضطرب الحال کھڑی تھی
سنبل سی کوئی کھولے ہوئے بال کھڑی تھی

رو رو کے یہ کہتی تھی ید اللہ کی جائی یہ صبح نہیں آئی ہماری اجل آئی
درپیش ہی فوجِ ستم آرا سے لڑائی ہی ہی کوئی ساعت ہی کے مہمان ہیں بھائی
اماں کی کمائی پہ زوال آتا ہی لوگو
گھر شبیر الٰہی کا لٹا جاتا ہے لوگو

کرتی تھی یہ پُر درد سخن زینب ناچار جو طبل و غارن میں بجانے لگے اشرار
مسند سے اٹھی شاہ امم ٹیک کے تلوار سیدانیاں چلائیں کہ ہی ہی شہ ابرار

پہلو سے نہ حضرت کے سرکتی تھی سکینہ
لپٹی ہوئی دامن سے بلکتی تھی سکینہ

فرمایا بہن سے شہ بیکس نے کہ آؤ
آپہنچی اجل منہ میری چھاتی سے لگاؤ
شبیر کی الفت سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
پھٹتا ہے کلیجہ مرا آنسو نہ بہاؤ

کیوں پیٹ کے سر آہ و بکا کرتی ہو زینب
لازم ہے تمہیں صبر یہ کیا کرتی ہو زینب

حضرت کے رفیقوں نے رضا جنگ کی پائی
لڑ بھڑ کے ہر اک پیاسے نے جان اپنی گنوائی
پھر ہونے لگی فاطمہ کے گھر کی صفائی
یاں تک کہ سناں سینے پہ اکبر نے بھی کھائی

جاری تھا لہو چشم حسین ابن علی سے
لپٹے ہوئے تھے لاشۂ ہمشکل نبی سے

چلاتے تھے ای گیسوؤں والے علی اکبر
بابا کو بھی پاس اپنے بلالے علی اکبر
سینے پہ ترے چل گئے بھالے علی اکبر
نرغے سے ہمیں کون نکالے علی اکبر

بیتاب ہیں سینے سے لپٹ جاؤ ہمارے
تلوار سنبھالے ہوئے ساتھ آؤ ہمارے

رہتی سے اب اے اکبر گل پیرہن اٹھو
مر جائیگا صدمے سے یہ تشنہ دہن اٹھو
بیکس کی مدد کرنے کو ای صف شکن اٹھو
بس سو چکے اٹھو مرے نازک بدن اٹھو

گھیرے ہوئے ہیں اہل ستم کیا کریں بیٹا
اس عالم تنہائی میں ہم کیا کریں بیٹا

غم پسر

چھوٹا جو برادر کا پسر شاہ امم سے ۔ دل ٹوٹ گیا پشت خمیدہ ہوئی غم سے
خوناب جگر بہنے لگا دیدۂ نم سے ۔ کہتے تھے عجب شیر جدا ہو گیا غم سے
صفدر سے بہادر سے چھٹا ساتھ ہمارا
اب جنگ کے قابل نہ رہا ہاتھ ہمارا

قاتل ہے کہاں تن سے سر اب جلد اتارے ۔ جینے کا مزہ کیا ہے کہ اکبر گئے مارے
آنکھوں سے گیا نور ہوئے گور کنارے ۔ یعقوب بنایا ہمیں یوسف نے ہمارے
پر حیف کہ ہمشکل پیمبر نہ ملیں گے
یوسف تو ملا باپ سے اکبر نہ ملیں گے

دو داغ سہے کیوں نہ کروں نالہ و فریاد ۔ اک نانا کی تصویر کا غم اک غمِ اولاد
جس دم مجھے آتے تھے رسول عربی یاد ۔ اکبر کی طرف دیکھ کے ہو جاتا تھا میں شاد
غربت میں بھتیجے کو برادر کو بھی کھویا
بیٹے کو بھی تصویر پیمبر کو بھی کھویا

پوچھے کوئی اس درد رسیدہ سے مرا حال ۔ جس باپ کا دنیا میں جواں ہو چکے مری لال
اور لال بھی وہ لال کہ خوش رو و خوش اقبال ۔ دن جسکے جوانی کے مرادوں کے سن و سال
پانی نہ ملا ہائے گلِ باغِ نبی کو
اللہ جوانی کا یہ پھل دے نہ کسی کو

یہ کہتے ہوئے رن سے گئے خیمے میں شبیر ۔ ناموس محمد سے یہ کی رو رو کے تقریر
لو صاحبو اکبر بھی ہوئے خلد کو رہگیر ۔ اب حلق ہے پیاسا مرا اور ظلم کی شمشیر

راحت میں حسین ابن علی کی خلل آیا
رخصت کرو ہم کو کہ پیام اجل آیا

اسوقت کیا دیکھتے ہیں کہ معصوم علی اصغر گہواری میں دم توڑ رہا ہے۔ یہ دیکھکر آپ پر بہت رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اسی وقت نور نظر کو ہاتھوں پر اٹھا کر لشکر غنیم میں پہنچتے ہیں۔ اور اعدا سے یہ کہتے ہوئے ع

چلّو سے زیادہ تو یہ پیاسا نہ پیئے گا

پانی طلب کرتے ہیں۔

سنکر یہ سخن کہنے لگا شمر بد اختر اچھا یہ بہانہ ہو کہ ہو پیاس سے مضطر
پانی تو اسے دیں مگر اے سبط پیمبر بچّے ہیں کئی اور کو لے آؤ گے جا کر
آجائیگا حاکم کا غضب ہم پہ یقیں ہو
پانی تمہیں دینے کا ہمیں حکم نہیں ہو

شقاوتِ قلبی

اتنے میں جو مارا کسی بیرحم نے اک تیر وہ تیر لگا کیا کہ ہوئی موت گلو گیر
ننھا سا گلا چھد گیا حالت ہوئی تغییر منہ چوم کے فرزند کا رونے لگے شیر
کہتے تھے عدو غیر ہے کیوں حال تمہارا
سیراب ہوا یا نہ ہوا لال تمہارا

سنکر یہ سخن روتا تھا فرزند پیمبر ہاتھوں پہ تڑپتا تھا پدر کے علی اصغر

تھی خشک زباں ہونٹوں پہ اور خوں سے گلا تر　　آواز بھی منہ سے نہ نکل سکتی تھی باہر
شہ روتے تھے منہ خوں بھرے چہرے پہ جو دیکھ کر
گھبرا کے لپٹ جاتے تھے چھاتی سے پدر کے

مرقع نگاری

دم بند تھا رہ رہ کے تڑپتا تھا وہ ناداں　　ہیکل بھی گلو کا بھی تھا سب خون میں غلطاں
کرنے کا کبھی کھینچنے لگتا تھا گریباں　　آجاتا تھا چھوٹے سے کبھی ہاتھوں میں پیکاں
لے لیکے کبھی ہچکیاں تھرّاتا تھا اصغر
ہاتھوں پہ کبھی کانپ کے رہجاتا تھا اصغر

آخر کار حضرت علی اصغر بھی راہی ملک بقا ہوئے۔ دُنیا درد مند باپ کی نظروں میں رات سے زیادہ تاریک ہو جاتی ہے۔ حضرت امام مردانہ غیرت اور جوش غضب و انتقام میں لشکر اشقیا پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اور لڑتے لڑتے شہید ہو جاتے ہیں۔

صبر و تسلیم

لکھا ہے جب ہوا دل ایوب دردناک　　شکوے سے آشنا ہوئی انکی زبان پاک
شبیر کا بدن ہوا تیغوں سے چاک چاک　　نیزوں سے ظالموں نے گرایا بروئے خاک
لیکن نہ مضطرب پسر فاطمہ ہوا
واں ابتدا تھی صبر کی یاں خاتمہ ہوا

یوسف کو بھائیوں نے گرایا جو چاہ میں دنیا ہوئی سیاہ پدر کی نگاہ میں
ہلتے تھے دل یہ درد تھا فریاد و آہ میں ہر صبح و شام بیٹھ کے روتے تھے راہ میں
پرسے کو لوگ آتے تھے نزدیک و دور سے
اندھے ہوئے بچھڑ کے ان آنکھوں کے نور سے

ہر چند جانتے تھے کہ ہے مصر میں پسر فرقت کا غم یہ تھا کہ کچھ آتی نہ تھی خبر
یاں سامنے ہوئے علی اکبر لہو میں تر حضرت نے کی نہ آہ بھی اللہ رے جگر
ممکن یہ ہے کہ باپ کو اس غم میں کل پڑے
دیکھے کوئی تو منہ سے کلیجہ نکل پڑے

لائے خلیل جبکہ پسر کو پے نثار آنکھوں پہ پٹی باندھی کہ دل ہو نہ بیقرار
ہاتھوں پہ شہ کے قتل ہوا طفل شیرخوار یہ دیکھتے تھے اور وہ تڑپتا تھا بار بار
کہتے تھے صبر دے کہ نہ خاطر ملول ہو
پروردگار ہدیۂ بیکس قبول ہو

صبر حسین سب پہ ہے عالم میں آشکار لکھتا ہوں وصف جرأت شبیر نامدار
جانیں نثار کر چکے جب رن میں جاں نثار پیاسوں کے خوں سے ہو گیا سب دشت لالہ زار
نہ بھائی تھا نہ کوئی پسر تھا حسین کا
سو داغ تھے اور ایک جگر تھا حسین کا

تنہا کھڑے تھے نیزے کو ٹیکے ہوئے امام جز شکر حق زباں پہ نہ تھا اور کچھ کلام
خیمے کے در پہ روتی تھیں سیدانیاں تمام چمکا رہی تھی برچھیاں میداں میں اہل شام

دیکھا جو شاہ نے کہ بڑھا لشکر ستم ناموس مصطفےٰ کو پکارے شہ امم
ای بیکسو خدا کو تمہیں سونپتے ہیں ہم درپیش ہی ہمیں سفر منزل عدم
رخصت ہی تم سے فاطمہ کے نور عین کی
سرکار کبریا میں طلب ہی حسین کی

ای آہوان کعبۂ تطہیر الوداع ای صاحبان عزت و توقیر الوداع
ہوتا ہے کوچ بھائی کا ہمشیر الوداع جاتا ہے سر کٹانے کو شبیّر الوداع
اعدائے دیں ہنسینگے نہ چلّا کے روئیو
زینب ہماری لاش پہ اب آکے روئیو

فرما کے یہ چلے طرفِ لشکرِ نفاق ناموس مصطفےٰ میں ہوا شور الفراق
کانپی زمیں لرزنے لگا قصر نہ رواق لیتے ہی باگ اسپ اڑا صورت براق
غل تھا کہ سوئے خلد شہ کربلا چلے
معراج کو جناب رسول خدا چلے

کیا بیکسی کی شاہ کا عالم کروں رقم نہ فوج تھی نہ فرق پہ تھا سایۂ علم
خادم تھے وہ ادھر فقط اقبال اور حشم زیور سی غرق حسن تھا شبدیز خوش قدم
ہیکل سی اختروں کی چمک آشکارہ تھی
زیں نقرہ رکاب مرصع نگار تھی

تھی اسکے سر پہ طرۂ زریں کی کیا پھبن ہمسر نہ جس سے ہو کبھی خورشید کی کرن
شرما کے رن سی آہوئے صحرا ہوئے ہرن طاؤس تھا کہ بن میں چلا چھوڑ کے چمن

بجلی کو اپنی چال سے کم جانتا تھا وہ
آندھی کو مشت گرد قدم جانتا تھا وہ

سنکر صدائے شہپۂ شبدیز خوش قدم
گھوڑے چراغ پا تھے سواروں میں تھے نہ دم
نعروں سے شہ کے گونجتا تھا وادیٔ ستم
اقبال بس یہ ہے کہ سلامی ہوئے علم
کانپے جو ہاتھ برچھیاں بڑھ بڑھکے گھٹ گئیں
اللہ رے رعب حق کہ صفیں سب الٹ گئیں

رن میں جو روشنی ہے جبیں کی ضیا یہ ہے
سرمایۂ تجلی نور خدا یہ ہے
واللہ بوسہ گاہ شہ انبیا یہ ہے
آئینۂ لطافت و حسن و صفا یہ ہے
دیکھو نشان سجدہ جبین جناب میں
اختر نے گھر کیا ہے دل آفتاب میں

اکبر سے نوجواں کا ضعیفی میں ہے جو غم
زانو پہ ہاتھ مار کے روتے ہیں دمبدم
اسطرح کا جری کوئی ہوگا جہاں میں کم
سر کٹ گیا مگر نہ ہٹے کھیت سے قدم
حیراں ہے عقل وصف کرے کیا حسین کا
تصویر ہے تمام سراپا حسین کا

یہ حال تھا کہ شاہ بڑھے چھیڑ کر سمند
بولے یہ ابن سعد لعیں سے بوعظ و پند
منصف ہوا ے امیر گروہ جفا پسند
مہمان پر کسی نے بھی پانی کیا ہے بند
پیاسا ہوں تین روز سے اک جام آب دے
یا کچھ مرے سوال ہیں انکا جواب دے

کیوں اے عمر نبی کا نواسا نہیں حسینؑ
آرام جان حضرت زہرا نہیں حسینؑ

فرزند شیر خالق یکتا نہیں حسینؑ عالم کا پیشوا نہیں آقا نہیں حسینؑ
پانی علی کے لال سے پیارا ہوا تجھے
ظالم ہمارا قتل گوارا ہوا تجھے

شبیر اپنے خویش و اقارب کو رو چکا عباس نامور سے دلاور کو رو چکا
قاسم کو رو چکا علی اکبر کو رو چکا تربت بنا کے ننھے سے اصغر کو رو چکا
آیا تجھے نہ رحم محمد کے لال پر
تلواریں رو رہی ہیں لہو میرے حال پر

سُن سنکے یہ کلام امام فلک جناب سب سرنگوں تھے کوئی نہ دیتا تھا کچھ جواب
اسوقت بڑھکے شمر لعیں نے کیا خطاب مختار خلق آپ ہیں یا ابن بو تراب
تصدیق لاکلام سے یاں اس کلام کی
بیعت مگر قبول کرو میر شام کی

تھرا گیا یہ سنکے جگر بند مرتضےٰ نعرہ کیا کہ او ستم آرا یہ کیا کہا
فرزند قتل ہو گیا گھر سارا لُٹ گیا راہ خدا میں جو ہمیں مرنے کا ہے مزا
حق جسطرف ہو دیں بھی تو ہم اسکا ساتھ دیں
ایسا نہیں کہ ہاتھ میں فاسق کے ہاتھ دیں

گمراہ سے ضرر کے لئے راہ ہم کریں کہلا کے شیر بیعت روباہ ہم کریں
ٹکڑے ہوں پر نہ منہ سے کبھی آہ ہم کریں خنجر کے نیچے طاعت اللہ ہم کریں
مر کر بھی راہ حق کی ہمیں جستجو رہے
کٹجائے سر سے سر تو بدن قبلہ رو رہے

جولاں کیا یہ کھلکے جو شبدیز برق ناز اڑ کر گیا پروں کیطرف مثل شاہ باز
غل تھا وہ آئی تخت ہوا پر شہ حجاز کھینچی جو تیغ ہاتھ اجل نے کیا دراز

تلوار تھی کہ فوج پہ قہر خدا چلا
گویا زباں نکالے ہوئے اژدہا چلا

کیا کاٹ تھا کہ جسپہ گری اسکو کھا گئی تھی منہ کی یہ کڑی کہ زرہ کو چبا گئی
آئی جدھر کو خون کا دریا بہا گئی معشوق بنکے ناز و کرشمہ دکھا گئی

اک غل ہوا جدھر وہ دم جنگ پھر پڑی
لو برق آج خرمن ہستی پہ گر پڑی

اسی سلسلۂ بیان میں یہ بیت خوب کہی ہے۔

چمکی جو فرق پر تو اڑائی سپر کے پھول
جیسے اڑیں ہوا سے چمن میں شجر کے پھول

ذوالجناح کی تعریف میں یہ بند کاوش دماغ کی ایک بہترین مثال ہے۔

جانباز سرفراز اولوالعزم نامدار شایستہ شیر دل سمن اندام بردبار
جاندار شاندار بہادر وفا شعار چالاک شوخ چشم سبک خیز ذی وقار

اللہ کیا عروج ترقی پہ بخت تھا
گھوڑا تھا یا ہوا پہ سلیماں کا تخت تھا

تھرائی جسم پڑ گئی ہلچل سپاہ میں تصویر مرگ پھر گئی سب کی نگاہ میں
ٹھہری نہ سرکشوں کے قدم رزمگاہ میں چھپتا تھا ابن سعد صفوں کی پناہ میں

کہتا تھا شمر سے کہ مجھے چین خاک ہو
کچھ فکر کر کہ دلبر زہرا ہلاک ہو

تھرّا کے شمر نے یہ کہا تب کہ اے امیر یہ شیر وہ ہے جسنے پیا فاطمہ کا شیر
زخمی نہ ہوگا یوں پسر شاہ قلعہ گیر تدبیر ہاں یہ ہے کہ چلیں ہر طرف سے تیر
نرغہ کریں قوی تن و سرکش حسین پر
خالی ہوں ساری فوج کے ترکش حسین پر

دونوں لعین یہ کہکے ہوئے تیر سے رواں اور سب سے اعتراضی سردار کی بیاں
گرد آئے شہ کے چار صفیں باندھکر جواں کڑکیں یہ دس ہزار کمانیں کہ الاماں
لشکر کا ابر چھا گیا زہرا کے ماہ پر
تیروں کا مینہ برسنے لگا بے گناہ پر

پیکان ظلم ہونے لگے پہلوؤں کے پار اکدم میں سب وہ چاند سا سینہ ہوا فگار
اسوقت تھا یہ حال تن شاہ نامدار ماہی کے جسم پر نظر آتے ہیں جیسے خار
زخمی تمام بازوئے پر نور ہو گئے
تیروں سے استخوان بدن چور ہو گئے

یوں چھن گئی قبائے تن شاہ بحر و بر روزن زرہ میں ہوتے ہیں جسطرح سر بسر
قدموں تلک تھا جسم مطہر لہو میں تر دل تھا کباب پیاس کی گرمی تھی اسقدر
ہونٹوں پہ تھی زبانِ دل جان مرتضیٰ
تیورا گیا تھا شیر نیستان مرتضیٰ

اس پیاس میں جو زخم لگے تن پہ بیشمار دلدل پہ ڈگمگانے لگے شاہ نامدار

روئی لہو کے اشکوں سے حیدر کی ذوالفقار　گھوڑے اٹھا کے ٹوٹ پڑے سیکڑوں سوار
بےچین روح سید لولاک ہو گئی
تیغوں سے مصطفےٰ کی قبا چاک ہو گئی

زخموں سے جسم کا جو لہو بہ گیا تھا سب　چہرہ تمام زرد تھا اور تھے کبود لب
نیزوں کی نوکیں اور وہ تن سرور عرب　تیر سہ پہلو اور وہ گلا خشک ہے غضب
تیغوں سے بند بند جدا تھا جناب کا
شیرازہ کھل گیا تھا خدا کی کتاب کا

ہر نے پہ فرط غش سے شہ بحر و بر جھکے　صدمہ یہ تھا کہ ہاتھوں سے تھامے جگر جھکے
زیں سے کبھی ادھر ہوئے خم گہ ادھر جھکے　تلواریں کھینچ کھینچ کے بیداد گر جھکے
غش میں ستمگروں نے جو پایا حسینؑ کو
نوکوں سے برچھیوں کی گرایا حسینؑ کو

گرمی کا بیان

وہ دھوپ ہے کہ جس میں ہرن ہوتے ہیں سیاہ　تپتی ہے یہ زمین کہ اللہ کی پناہ
کھیتوں میں خاک اڑتی ہے اور خشک ہے گیاہ　بے سایہ ایسی دھوپ میں ہے فاطمہ کا ماہ
صحرائے پر خطر ہے نہ دریا نہ بستی ہے
گرمی ہے یا کہ آگ فلک سے برستی ہے

ہر کوہ مثل برق جہندہ ہے شعلہ زن　چلتی ہے ایسی لو کہ جھکے جاتے ہیں بدن
مرجھا گیا ہے دھوپ میں زہرا کا گلبدن　سوکھے ہوئے ہیں لب صفت برگ یاسمن

گرمی میں کوئی جا نہیں سکتا وہ رستے ہیں
ٹھنڈی ہوا کیواسطے بچے ترستے ہیں

مثل چنار دھوپ سے جلتا ہے ہر شجر بیٹھے ہیں آشیانوں میں طائر کشادہ پر
ہر اک جری کے چہرے پہ رو کے ہوئے سپر سونلا گئے ہیں فاطمہ زہرا کے سب قمر
جاتے ہیں غازی گھوڑوں کی باگیں لئے ہوئے
عباس سر پہ شہ کے ہیں سایہ کئے ہوئے

مصائب سفر

گرمی کی فصل اور مہینوں کا وہ سفر بچوں کا ساتھ رنج وطن دھوپ کا ضرر
ڈر قتل کا کہیں کہیں لٹنے کا ہے خطر شب جاگتے ہی جاگتے ہو جاتی ہے سحر
اک اک قدم پہ لاکھ طرح کے ہراس ہیں
چہرے بہادران وطن کے اداس ہیں

سہتے ہوئے سفر کی اسی طرح سختیاں جاتے تھے کربلا کو شہنشاہ انس وجاں
جو چرخ پر ہلال محرم ہوا عیاں حسرت سے دیکھنے لگے شہ سوئے آسماں
موتی سے اشک چاند سے چہرے پہ ڈھل پڑے
بے اختیار آنکھ سے آنسو نکل پڑے

گھوڑے سے اپنے سبط پیمبر اتر پڑے عباس و قاسم و علی اکبر اتر پڑے
انصار باوفا بھی برابر اتر پڑے ہمراہ ماہتاب کے اختر اتر پڑے
جنگل تمام نور خدا سے چمک گیا
پھولوں سے فاطمہ کے وہ صحرا مہک گیا

کہنے لگے یہ بھائی سے شاہ فلک مقام　　کیا مصلحت ہی ہوئیں یہاں کس جگہ خیام
بولا یہ ہاتھ جوڑ کے شہ سے وہ نیکنام　　گرمی کے دن ہیں ساتھ ہی بچوں کا یا امام
سایہ ہو یا نہ ہو یہ ترائی ضرور ہو
ہی مصلحت اسی میں جو حکم حضور ہو

امام عالیجاہ بھائی کی رائے سے موافقت کرتے ہوئے وہیں خیمے بپا کرنے کا حکم صادر فرماتے ہیں۔

مرقّع نگاری

فراشوں نے سُنا جو یہ حکمِ شہ امم　　استادہ دم میں ہو گئے سب خیمۂ حرم
ڈیوڑھی پہ آکے ہودج و محمل لگے بہم　　اونٹوں سے اتریں بیبیاں با دیدہائے نم
سائیس گھوڑے لیکے وہاں سے الگ گئے
کمریں بھی سب کی کھل گئیں بستر بھی لگ گئے

وہ شب تو غازیوں کی ہوئی امن سے بسر　　ہنگام صبح آنے لگا لشکر عمر
دو دن میں چار لاکھ ہوئے جمع اہل شر　　آیا چھٹی کو شمر بد اختر بکر و فر
دشت نبرد بھر گیا سب فوج شام سے
داخل ہوا عمر بھی بڑی دھوم دھام سے

اترا کنار جو عمر سعد کینہ جو　　پہلے تو صلح کی رہی آپس میں گفتگو
بے وجہ شہ سے پھر گیا آخر وہ زشت خو　　میداں میں بندوبست کیا اسنے چار سو
ہفتم کو مشورہ ہوا قتل امام کا
نایاب آب ہو گیا پیاسوں کے نام کا

تھی آٹھویں کہ شہ پہ ہوا نرغۂ سپاہ سید پہ بند ہوگئی امن و اماں کی راہ
آمادہ قتل شہ پہ تھا ایک ایک رو سیاہ غل تھا کہ خاندان رسالت کرو تباہ
آخر علی کے گھر کی صفائی ٹھہر گئی
دسویں کو وقت صبح لڑائی ٹھہر گئی

ناگاہ صبح قتل شہ بحر و بر ہوئی ہر سو شعاع شمس سے ضو جلوہ گر ہوئی
انجم کی فوج چرخ پہ زیر و زبر ہوئی واں مستعد بجنگ سپاہ عمر ہوئی
آئی صدا دہل کی جو دشت قتال سے
سیدانیاں لپٹ گئیں زہرا کے لال سے

تلقین صبر

ناموس مصطفےٰ سے یہ بولے شہ انام رونے سے کیا حصول یہ ہو صبر کا مقام
دار فنا میں ہوتا ہو کس کا سدا قیام فانی ہیں سب رہیگا ہمیشہ اسی کا نام
بہتر ہی جو کہ مرضئ پروردگار ہے
کچھ دخل ہو ہمیں نہ تمہیں اختیار ہے

بانو سے روکے کہنے لگے شاہ بحر و بر جی بھر کے دیکھ لوں ہو سکینہ میری کدھر
ہم اسکو چاہتے ہیں وہ ہی عاشق پدر کیا آج کچھ خفا ہی جو آتی نہیں نظر
ہر وقت ہمکو پیار وہ ناکام کرتی ہو
فضہ یہ روکے بولی کہ آرام کرتی ہو

آنکھوں کو ملتی نیند سے اٹھی وہ مہ جبیں لے آئیں ساتھ ساتھ اُسے بانوئے حزیں
پہنچی سکینہ روتی ہوئی شاہ کے قریں پھیلا کے ہاتھ پیار سے بولے امام دیں

یاں ہم کھڑے ہیں پر سبھی مشتاق آپ کے
سینہ سے جلد آ کے لپٹ جاؤ باپ کے

باہیں گلے میں ڈال کے لپٹی وہ دلفگار بیٹی کو پیار کرنے لگے شاہ نامدار
چومی کبھی جبیں کبھی آنکھیں کبھی عذار گہ لے کے بوسۂ لب و دنداں ہوئے نثار
شہ کا قرار بیٹی کی الفت نے کھو دیا
دیکھا جو بالیوں کو تو حضرت نے رو دیا

بولی سکینہ روتے ہو کیوں تم پہ میں نثار دل ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے کچھ آج کا تو پیار
پہنا ہے چار آئینہ باندھی ہے ذوالفقار کیا قصد ہے بتاؤ تو یا شاہ نامدار
ملکر گلے سے میرے جو آنسو بہاتے ہو
صغرا بہن کے لینے کو یا شاہ جاتے ہو

بیٹی سے رو کے کہنے لگے شاہ کربلا صدقے میں تیرے اور تری تقریر کے فدا
جاتے ضرور دیتی جو مہلت ہمیں قضا صغرا کجا مدینہ کجا اور ہم کجا
یثرب میں نے وطن میں نہ بطحا میں جاتے ہیں
ہم جسکے میہماں ہیں وہ ہمکو بلاتے ہیں

میداں سے جا کے پھر نہ ہم آئینگے آج گھر بابا کے غم میں روتی نہ پھرنا ادھر ادھر
بولی سکینہ واہ یہ کیا کہتے ہو پدر کیا ہو جو واں سے خلد کا کر جائیے سفر
پاؤں کہاں اگر تمہیں ہاتھوں سے کھوؤں میں
شب ہو تو کس کی چھاتی پہ سر رکھ کے سوؤں میں

بیٹی کو پیار کر کے یہ بولے شہ امم بابا فدا ہو تم پہ کچھ اسکا نہ کھاؤ غم

گر تمکو رنج ہو تو پدر کو بھی ہے الم　　جائینگے خلد میں تو بلا لینگے تم کو ہم
اشکوں سے تر نہ یہ رخ گلفام کیجیو
اب تم پھوپھی کے سینے پہ آرام کیجیو

بیٹی کو روتا چھوڑ کے حضرت بچشم تر　　پھر جدال گھر سے چلے شاہ جلد تر
سر پیٹنے لگے حرم سیدّ البشر　　غل تھا تباہ ہوتا ہے خیر النسا کا گھر
پردیس میں بچھڑتی ہے پیاری حسین کی
یہ آخری ہے آج سواری حسین کی

آخر وداع ہو کے شہ عرش بارگاہ　　پردہ الٹ کے خیمے سے نکلے بعز و جاہ
پھر سلام جھک گئے حضرت کے خیر خواہ　　رونق فزائے زین ہوا خیر النسا کا ماہ
سب اقربا بھی مستعد جنگ ہو گئے
چہرے خوشی سے پیاسوں کے گلرنگ ہو گئے

رن میں جمے ادھر بھی پرے فوج شام کے　　شامی بھی لیس ہو گئے تیغوں کو تھام کے
نیزے سنبھالنے لگے قاتل امام کے　　انصار مسکرائے شہ خاص و عام کے
کوفی ادھر تو کالے علم کھولنے لگے
تلواریں اشراف بھی جری تولنے لگے

آغاز جنگ

ناگاہ فوج کیں سے چلے ناوک ستم　　لالچ سبھوں کو دینے لگا شمر بد شیم
روم و عراق و شام کے لشکر بڑھے بہم　　ہونے لگے نثار رفیق شہ امم

ایک اک دلیر جنگ پہ میداں میں تل گیا
بند ھنے لگیں صفیں در فردوس کھل گیا

جرأت امام دیں کو وہ غازی دکھا چکے
عباس نامدار لہو میں نہا چکے
اکبر جگر پہ نیزۂ بیداد کھا چکے
اصغر بھی تیر ظلم سے گردن چھدا چکے
جوں بوئے گل پہنچ گئے باغ نعیم میں
تنہا حسین رہ گئے فوج غنیم میں

نرغہ

تلواریں کھینچ کھینچ کے اہل ستم بڑھے
ڈنکے پہ چوب پڑتے ہی آگے علم بڑھے
روم و رے و عراق کے لشکر بہم بڑھے
ظالم تمام سوئے امام امم بڑھے
ترکی پرے جما کے چپ و راس آ گئے
سب رو سیاہ شام کے بدلی سی چھا گئے

یاں چشم غیظ فوج پہ ڈالی امام نے
شمشیر شعلہ خیز نکالی امام نے
چمکائی رن میں تیغ ہلالی امام نے
اور پشت پر سپر بھی سنبھالی امام نے
تھرائے جسم آنکھ ہر اک کی جھپک گئی
پہلو میں آفتاب کے بجلی چمک گئی

زورِ بیان

جولاں کیا امام نے شدید فوج پر
آیا چمک کے اسپ سبک خیز فوج پر
بجلی سی کوندی تیغ شرر ریز فوج پر
چمکی بسان شعلہ سر تیز فوج پر

ضربت سے ذوالفقار کی حربے بھی کٹ گئے
گھوڑے کے ہمہمہ سے جگر بدبا کے پھٹ گئے

اک دم میں ذوالفقار پری خوں میں بھر گئی　　سیل فنا کی طرح سروں سے گذر گئی
چمکی کبھی ادھر کبھی اس غول پر گئی　　فی النار سیکڑوں کو وہ فی الفور کر گئی
جب کوند کر گری سپہ نابکار پر
غل پڑ گیا کہ برق گری کوہسار پر

تیروں کو کر رہی تھی وہ تیغ اجل قلم　　سر دشمنوں کے ہوتے تھے کیا برمحل قلم
دستے تھے تیر کے دم جنگ و جدل قلم　　شاخ کماں قلم کہیں تیغوں کے پھل قلم
تیغیں کہیں تھیں خاک پہ شمشیر زن کہیں
سپریں کہیں تھیں تیروں کی ناوک فگن کہیں

تلوار کی تعریف

قہر خدا تھا ضربت تیغ دوسر نہ تھی　　ہاتھ اٹھ گیا جو اسکا تو اسکی کمر نہ تھی
سر کب قلم ہوئے یہ کسی کو خبر نہ تھی　　مغفر نہ تھا کسی کا کسی کی سپر نہ تھی
تیزی یہ تھی کہ موم سے فولاد نرم تھا
ٹھنڈے تھے جسم موت کا بازار گرم تھا

دم لیتی تھی نہ فوج میں تیغ دودم کہیں　　ڈوبی کہیں سپر میں کئے سر قلم کہیں
پیکر کہیں تھے اور تھے اہل ستم کہیں　　بیرق کہیں پھریرے کہیں اور علم کہیں
یہ سرخرو تھی اور سپہ شام زرد تھی
افعی تھی زہر اگلنے میں جوہر میں فرد تھی

تھی خوف سے سواروں میں ہلچل اِدھر اُدھر　　دہشت سے چھپتے پھرتے تھے پیدل اِدھر اُدھر
گرتے تھے کٹ کے برچھیوں کے پھل اِدھر اُدھر　　ڈھالوں کے بھاگے جاتے تھے بادل اِدھر اُدھر
شامل تھا قہر حق شہ صفدر کے قہر میں
خشکی میں زلزلہ تھا تلاطم تھا بحر میں

دہشت زدہ تھا خوف سے ہر ایک خود پسند　　مثل شجر لرزتے تھے نیزوں کے بند بند
چلنے میں اسپ تیغ دو دم سے بھی تھا دو چند　　جب مل گئی لگام تو برچھوں اڑا سمند
بجلی چمک کے چھپ گئی ڈر کر جدھر گیا
مطلق خبر نہ تھی کدھر آیا کدھر گیا

گھوڑے کی تعریف

فوجوں میں جب گھرا تو تڑپ کر نکل گیا　　ٹاپوں سے دشمنوں کے تنوں کو کچل گیا
چمکا کبھی اڑا کبھی گاہے سنبھل گیا　　زخمی کیا دلوں کو کلیجوں کو مل گیا
تھی چال کبک کی تو چلن دلبری کا تھا
سب جسم راہوار کا چہرا پری کا تھا

بقول مرثیہ نگار اس قدر جنگ کرنے کے بعد امام عالی جاہ تلوار نیام میں کر کے حصول مرتبۂ شہادت کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اسوقت

بولا یہ فوج سے عمر سعد بد خصال　　ہے جوش شوق مرگ میں اب فاطمہ کا لال
ضرغام حیدری کو اگر آگیا جلال　　ایسے جری سے فتح کی صورت ہے پھر محال

مہلت ملے نہ بات کی زہرا کے ماہ کو
موقع یہی ہے گھیر لو سب ملکے شاہ کو

سنکر سخن شقی کا بڑھی فوج نابکار لخت دل علی پہ چلے برچھیوں کے وار
شبث آیا ساتھ لیکے کماندار دس ہزار نیزونکو تان تان کے گرد آ گئے سوار
عنیغم علی کا ظلم کے جنگل میں گھر گیا
زہرا کا چاند شام کے بادل میں گھر گیا

پڑنے لگے امام پہ چاروں طرف سے تیر اک صف سے نیزے چلتے تھے اور ایک صف سے تیر
ہوتے تھے پار جسم شہ ذی شرف سے تیر پیہم گذرتے تھے دل شاہ نجف سے تیر
حضرت اٹھا کے ہاتھ جو محو دعا ہوئے
زخمونکے مُنہ بھی صورت سوفار وا ہوئے

مانند گل کھلے تھے تن نازنیں پہ زخم تھے کس غضب کے جسم امام مبیں پہ زخم
گردن پہ زخم چہرے پہ زخم اور جبیں پہ زخم تیروں کے سربسر تھے تن شاہ دیں پہ زخم
خوں بہکے زرد چہرۂ پُر نور ہو گیا
گرز گراں سے کاسۂ سر چور ہو گیا

تکتے تھے آسمانکو شہ بحر و بر کبھی غش ہوتے تھے سنبھال کے ہاتھوں سے سر کبھی
گرتا تھا خون گاہ ادھر اور ادھر کبھی تھاما کبھی جو دل تو سنبھالا جگر کبھی
قدموں سے گہ رکابوں کے حلقے نکل گئے
قربوس زیں پہ گاہ جھکے گہ سنبھل گئے

وقت زوال راکب دوش نبی گرا چلائے جبرئیل کہ جان علی گرا

فریاد ہے وصی نبی کا وصی گرا حیدر کے بوستان کا سرو سہی گرا
جسم امام ریگ بیاباں سے اٹ گیا
صدمہ ہوا جگر پہ ہر اک زخم پھٹ گیا

ای کلک دکھا مقتل شبیر کی تصویر ہاں کھینچ یداللہ کی شمشیر کی تصویر
آنکھوں میں پھری تیغ جہانگیر کی تصویر تحریر کی تحریر ہو تصویر کی تصویر
ضربیں جو لکھوں خسرو خورشید علم کی
تلوار کی چل پھر ہو روانی ہیں قلم کی
عاشور کے دن جبکہ ہوا ظہر کا ہنگام مارا گیا ہمشکل محمد سا گل اندام
چھاتی پہ سناں کھا کے گیا شیر نے آرام برپا تھا خیام حرم شاہ میں کہرام
ماتم تھا کبھی اور کبھی فریاد عطش تھی،
بانو کہیں بیہوش تھی زینب کہیں غش تھی
حضرت در اقدس پہ کھڑے کرتے تھے شیون ٹیکے ہوئے تلوار جھکائے ہوئے گردن
اشکوں کا یہ تھا جوش کہ بھیگا ہوا تھا تن بدلا کبھی رومال نچوڑا کبھی دامن
جھک کر کبھی کی آہ کبھی دل کو سنبھالا
بسمل نے تڑپتے ہوئے بسمل کو سنبھالا
امام عالیمقام خیمۂ اہل بیت سے رخصت ہو کر میدان کارزار کی
طرف بڑھتے ہیں۔

ہلتی ہے زمیں رخصت سرور کا ہے ماتم مرنے پہ کمر باندھے کھڑے ہیں شہ عالم
کھولو علم فوج صفیں باندھ لو باہم بدلی سے نکلنے پہ ہے اب نیر اعظم
شہزادیوں کے رونے کی اک دھوم پڑی ہے
مولا کی سواری در دولت پہ کھڑی ہے

یہ سنکے بن سعد ستمگار پکارا ہاں جلد نئے سر سے ہو سب فوج صف آرا
ہے ضیغم میدان اسد اللہ کا پیارا خالی نہ رہے دشت نہ دریا نہ کنارا
ہشیار کہ آمد ہے ولی ابن ولی کی
اب ہے وہ لڑائی جو لڑائی تھی علی کی

پھر کیا تھا پرے بندھنے لگے فوج ستم کے خونریزی پہ تیار صفیں ہو گئیں جم کے
اٹھ اٹھ کے رسالوں میں علم برق سے چمکے بجنے لگے باجے عرب و روم و عجم کے
اک دم میں نہ صحرا نہ ترائی نظر آئی
تیغوں کے تلے ساری خدائی نظر آئی

کثرت و انبوہ

ساماں تھا غضب قتل شہ جن و بشر کا میداں نہ ادھر سے نظر آتا تھا ادھر کا
مجمع تھا یوہیں کو فتے تک اس لشکر شر کا کثرت تھی کہ مشکل تھا گذر مرغ نظر کا
دیوار سی لوہے کی جو پاتی تھی صفوں کو
جنگل میں ہوا پھاند کے جاتی تھی صفوں کو

برچھی پہ جو برچھی تھی تو تلوار پہ تلوار چھائی تھی گھٹا ڈھال پہ تھی ڈھال دھواں دھار
ہر سو تھیں کمانوں پہ کمانیں دم پیکار پیکان پہ پیکان تھا سوفار پہ سوفار

باہم تھا پری سے جو پرا فوج ستم کا
ہر سمت پھریری پہ پھریرا تھا علم کا

تھا مستعد جنگ ادھر لشکر بے پیر　لپٹے ہوئے زینب سے ادھر روتے تھے شبیر
چلاتی تھی منہ سینے پہ رکھے ہوئے ہمشیر　پہلے مری گردن پہ کوئی پھیر دے شمشیر
جس جا ہو برادر وہیں خواہر ہو زمیں پر
لاش آپ کی اور میری برابر ہو زمیں پر

یہ سنکے چلے سب کو تڑپتے ہوئے چھوڑا　امت کے لئے منہ زن و فرزند سے موڑا
مظلوم کی رخصت کا زمانہ جو تھا تھوڑا　روتے ہوئے نکلے تو کھڑا روتا تھا گھوڑا
خادم تھا نہ اس شمع کا پروانہ تھا کوئی
جز موت نہ اپنا تھا نہ بیگانہ تھا کوئی

تکنے لگے حسرت سے پس و پیش و چپ و راس　تنہائی تھی غربت تھی بس اور بیکسی و یاس
صحرا میں تو اکبر تھے لب نہر تھے عباس　رو کر کہا سب دور ہیں افسوس جو تھے پاس
ٹکڑے نظر آتے ہیں کلیجے کے زمیں پر
اس ضعف میں کس طرح چڑھیں خانۂ زیں پر

روتے رہی سب شہ کی سواری ہوئی راہی　خیبر کے الٹنے کو چلے شیر الٰہی
ساری وہی شوکت تھی وہی سطوت شاہی　تھرا کے چھپے بر میں اسد بحر میں ماہی
کانپے جو قدم دبدبۂ شیر اجم سے
آہو بھی ہرن ہو گئے میدان ستم سے

سراپا

گردن وہ کہ خنجر سے کٹے راہ خدا میں　　شانے وہ تبر جن پہ لگے دشت جفا میں
وہ ہاتھ جو زخمی ہوئے اُمت کی دعا میں　　سینہ وہ جو ٹکڑے ہوا تیروں سے وغا میں
وہ پشت دوتا ہو گئی جو بھائی کے غم میں
وہ پاؤں جو سر کے نہیں میدان ستم میں

رجز

ہم وہ ہیں کہ گھر جنکو ملے عرش بریں پر　　خالق نے دیا فوق ہمیں روح امیں پر
یہ نور ہے ایماں کا درخشندہ جبیں پر　　ہم شمع الٰہی ہیں کہ روشن ہیں زمیں پر
گل ہوں تو بلا بعد بلا آئے جہاں میں
عالم ابھی ظلمات کا ہو جائے جہاں میں

حجت کے سخن اب ہیں رجز ہو چکا آخر　　کیوں ظالمو مجرم ہے یہ مہمان مسافر
درپے ہو مرے قتل کے اس شخص کی خاطر　　جو ظالم غدار ہے اور فاسق و فاجر
دیں کھوتے ہو دنیا میں یہ کیا بے ادبی ہے
اسکا ہی نہیں پاس جو فرزند نبی ہے

دیکھو ہمیں کیا ہم نے کیا پاس تمہارا　　مارے گئے ہفتاد و دو تن دم نہیں مارا
اب آس ہے بھائی کی نہ بیٹے کا سہارا　　تنہا ہوئے سب قافلہ جنت کو سدھارا
اک طفل ہے اور ایک جواں غش میں ہے شب سے
وہ پیاس سے مرنے پہ ہے یہ شدت تپ سے

ماتم ہے محل میں کہ جدا ہو گئے پیارے　　اس وقت میں یہ آوارہ وطن کس کو پکارے
للہ اماں دو کہ میں ہوں گور کنارے　　برباد نہ ہو نسل پیمبر کی تمہارے
یا یہ کہ مجھے قتل کرو تیغ و سناں سے
بچے لئے رانڈوں کو نکل جانے دو یاں سے

لو بہر خدا رحم کرو آلِ نبی پر　　اس فاقہ کشی پر مری اور تشنہ لبی پر
ہوتی ہے جفا روح رسول عربی پر　　آمادہ نہ ہو مجھ سے مبارز طلبی پر
ہاتھوں میں [illegible] تواں چھوٹ گئی ہے
کیا اس سے وغا جسکی کمر ٹوٹ گئی ہے

کیا کیا نہ ستم تشنہ دہاں دیکھ رہا ہوں　　نیرنگئ گلزار جہاں دیکھ رہا ہوں
یہ لاشۂ فرزند جواں دیکھ رہا ہوں　　یوسف کے کلیجے میں سناں دیکھ رہا ہوں
جیتے نہ یہ اندوہ جو یعقوب پہ ہوتا
پھٹ جاتا جگر دکھ جو یہ ایوب پہ ہوتا

سُن سنکے یہ تقریر امام دو جہاں کی　　ہر غول سے آنے لگی آوازِ فغاں کی
جاری ہوئے اشک آنکھوں سے ہر پیر و جواں کی　　فولاد کو پگھلا گئی تاثیر بیاں کی
باتوں میں جو یہ درد کے پہلو نکل آئے
اونٹوں کے بھی گھوڑوں کے بھی آنسو نکل آئے

کچھ اور کہا چاہتے تھے سید ابرار　　جو بڑھ کے پکارا پسر سعد ستمگار
اسبات کی مہلت نہ ملے شاہ کو زنہار　　فوجوں میں بجے طبل چلے ناوکِ خونخوار

مقتل کی زمیں ہلنے لگی دل کی دھڑک سے
کڑکا ہوا امید الٰہیں کمانوں کی کڑک سے

شمر ولد القلب بڑھا فوج سے ناگاہ اور شیث جفا کار بھی اس نحس کے ہمراہ
چلائی کہ اے راحت جان اسد اللہ اس طول سے کیا فائدہ قصہ کرو کوتاہ
کیوں شام کے حاکم کی اطاعت نہیں کرتے
تقصیر یہ تھوڑی ہے کہ بیعت نہیں کرتے

حضرت نے کہا فاسق و فاجر ہے وہ غدار بدکار سیہ کار زناکار جفاکار
بے دین و بد آئین و دغا پیشہ و مکار ناراض خدا اس سے نبی اس سے ہیں بیزار
میں دین کی عزت کبھی ساتھ اسکے نہ دونگا
سر دونگا مگر ہاتھ میں ہاتھ اسکے نہ دونگا

رہوار کو یاں شیر نے ٹھکرا کے اڑایا کس شان سے طاؤس کو صحرا سے اڑایا
فوجوں کی طرف رخش کو چمکا کے اڑایا ٹھہرے ہوئے سیماب کو گرما کے اڑایا
لاشوں کا ہر اک غول میں پشتہ نظر آیا
جو ٹاپ تلے آگیا کشتہ نظر آیا

غازی کو شجاعت کا عجب جوش تھا رن میں غم تشنہ لبی کا بھی فراموش تھا رن میں
بھاگڑ مچی لڑائی کا کسے ہوش تھا رن میں ہر خار ستم زخموں سے گلپوش تھا رن میں
سب ابر بہاری کا مزا بھولے ہوئے تھے
مینہ خوں کا برستا تھا چمن پھولے ہوئے تھے

گیا جنگ میں تھی تیغ شہنشاہ زمن گرم سرگرم ہوا گرم زباں گرم دہن گرم

پڑجاتا تھا سایہ بھی تو ہو جاتے تھے تن گرم مرنے پہ بھی خونخوار و نکے تھے زخم بدن گرم
ظاہر تھا جلال شہ عالم کا نمونہ
آنچ اسکی دکھاتی تھی جہنم کا نمونہ

دکھلاتی تھی ہر دم نئے وہ صاحب صنو رنگ ڈھالو نمیں چمک جاتا تھا شکل مہ نو رنگ
کس کس کو عدو دیکھتے سو ڈھنگ تھے سو رنگ بیبر وہ یہ بیدست وہ دو ٹکڑے یہ چو رنگ
یہ رنگ نہ دیکھا کبھی گلشن کی زمیں پر
گلدستے لگاتی تھی اجل رن کی زمیں پر

خونریز و زباں آور و آتش زد و بیباک دشمن کش و طرار و گرانمایہ و چالاک
سر تیز و سر افشاں و صفا پیکر و سفاک برق افگن و رخشندہ و آئینہ تن چاک
اس قتل پہ تھا صاف بدن عربدہ جو کا
دھبا کہیں بجلی میں بھی لگتا ہے لہو کا

برسا جو لہو بڑھکے گھٹا فوج کا بادل میداں میں نہ ٹھہرا کوئی اسوار نہ پیدل
روکا شہ والا نے نگاورجو تھا بیکل فرمایا ٹھہر جاکہ وہ مدفن تھا یہ مقتل،
بس لڑ چکے اکدم میں شہادت ہے ہماری
اب تیغ سے بھی تجھ سے بھی رخصت ہے ہماری

یہ وجہ ہے اس فوج سے اتنا جو لڑے ہم مجبور نہ سمجھیں ہمیں تا دل میں یہ اظلم
دیکھا کہ جفا کار ہزاروں ہوئے بیدم سجدے بھی ادا کرلیں کہ اب دن ہے بہت کم
یاد اسکی ہو خالق جو ہے خشکی و تری کا
اس سے کوئی بہتر نہیں توشہ سفری کا

رونے لگا اسوار سے یہ سنکے وہ حیواں ، مغموم گئی میان میں تیغ شرر افشاں
فوجیں وہ پھریں بھاگی جو تھیں چھوڑ کے میداں دریائے شقاوت میں اٹھا قہر کا طوفاں
خونخوار صفیں مستعد بے ادبی تھیں
پڑنے لگیں تن پر وہی تیغیں جو ابی تھیں

گر پڑتا ہے گر زخم لگے شیر کے دو چار یہ گھاؤ قیامت کا اور انساں کا تن زار
غش تھے کہ لگا سینے پہ اک ناوکِ خونخوار پہلو پہ تبر دل پہ سناں فرق پہ تلوار
یہ ظلم یہ بیداد شہنشاہ زمن پر
بولے بھی نہ تھے کچھ کہ لگا تیر دہن پر

مارا جو پھر اک تیر سم آلود جبیں پر سر ظلم کے پیکاں سے نکالا عقب سر
مظلوم نے کی آہ جو آنکھوں کو پھرا کر جنبش ہوئی کرسی کو ہلا عرش منور
اس آہ کو سنکر نہ رہی تاب کسی میں
اک حشر بپا ہو گیا ناموسِ نبی میں

جب صبح قتل شہ نے فریضہ ادا کیا فوج امیر شام سے عزم وغا کیا
پیاری پسر کو افسر فوج خدا کیا بھائی کو پھر نشان محمد عطا کیا
غل تھا علم ملا خلف بوتراب کو
حاصل ہوا شرف یہ شرف آفتاب کو

بہر وغا جو فوج امام امم چلی نصرت رکاب تھامے قدم با قدم چلی

گو ساتھ ان گلوں کے نسیم ارم چلی ‏ پر اس روش کی باد مخالف بھی کم چلی
نازک وہ گل تھے گرم ہوا کھا کے رہ گئے
غنچے نہ کھلنے پائے کہ مرجھا کے رہ گئے

رن میں وغا طلب جو ہوئی شام کی سپاہ ‏ دم بھر میں لالہ رنگ ہوئی خوں سے رزمگاہ
تلوار وہ چلی کہ بس اللہ کی پناہ ‏ غل تھا کہ بند ہو گئی امن و اماں کی راہ
سب تشنہ لب ادھر کے وغا کر کے مر گئے
آقا کا اپنے زیست میں دم بھر کے مر گئے

لڑ بھڑ کے قتل ہو گئے جب وہ خدا پرست ‏ عباس نامدار نے لشکر کو دی شکست
وہ شیر مر گیا تو مٹا گھر کا بندوبست ‏ اکبر کے غم میں ہو گئے شبیر اور پست
اصغر بھی تیر کھا کے گلے پر گذر گئے
تنہا حسین رہ گئے سب کوچ کر گئے

کہتے تھے شاہ دیکھ کے ہر سو بچشم تر ‏ کیا ہو گئے عزیز وہ انصار ہیں کدھر
افسوس باغ دہر سے سب کر گئے سفر ‏ لیتا نہیں کوئی گل زہرا کی اب خبر
پھیلائے پاؤں سوتے ہیں اسطرح چین سے
نا آشنائے محض تھے گویا حسینؑ سے

کیسی مسافرت میں یہ نیند آ گئی تمہیں ‏ دو دن کی پیاس خاک پہ تڑپا گئی تمہیں
ٹھنڈی ہوائے خلد بریں بھا گئی تمہیں ‏ افسوس دوپہر میں قضا آ گئی تمہیں
چھوڑا تھا گھر جہاں سے گذرنے کیواسطے
ساتھ آئے تھے حسین کے مرنے کیواسطے

ہاں ای مسافران عدم کچھ جواب دو گھبرا رہا ہی سینے میں دم کچھ جواب دو
چلا رہی ہیں دیر سی ہم کچھ جواب دو ای حاملانِ رنج و الم کچھ جواب دو
دکھ میں گئی حسین سی مُنہ موڑ موڑ کے
جنت میں چل بسے مجھے جنگل میں چھوڑ کے

شبیر رو رہی تھے یہ کہہ کہہ کے زار زار نکلا پری سی شمر ستمگر جفا شعار
بولا یہ ہنسکے اے پسر شیر کردگار کیا غم میں رو رہی ہو عزیزونکے بار بار
سب فوج مستعد ہی یہاں کارزار پر
رکھو گلے کو خنجر برّاں کی دھار پر

ان سب کو قتل کرکے بر آئی دلی مراد حضرت سی ہی یزید کو اک باطنی عناد
تم ذبح ہو تو شام کا حاکم ہو شاد شاد گویا کہ سلطنت سی مٹے یک قلم فساد
اس فتح کے عوض درِ شہوار رو لینگے
ہم لوٹ کر حرم کو کمر آج کھو لینگے

یہ سنکے غیظ آگیا برہم ہوئے جناب چہرہ غضب سی سرخ ہوا مثل آفتاب
فرمایا یوں جلال میں آکر بصد عتاب عاجز ہمیں سمجھتا ہی او خانماں خراب
ہشیار کر صفوں میں صغیر و کبیر کو
لے دیکھ ذوالفقار جناب امیر کو

اس غیظ میں جو تیغ کے قبضے پہ کی نظر سدرہ پہ جبرئیل پکارے کہ الحذر
نکلی عروس فتح حیا سے جھکائے سر جوہر تھے یا کہ پھولونکا گہنا تھا سربسر

صدقے تھے انس و جن و ملک چال ڈھال پر
افشاں جبیں پہ تھی کہ ستارے ہلال پر

اٹھی گھٹا کی طرح برستی چلی گئی　　احرار کی اجاڑ کے بستی چلی گئی
چمکی جو اوج سے سوئے پستی چلی گئی　　بجلی بھی اسکی شوخی پہ ہنستی چلی گئی
صنوبار کر دیا تھا امام غیور نے
ناب اسکی تھی کہ مانگ نکالی تھی حور نے

دیکھا جدھر کو غول عدو کا وہیں گری　　گویا فلک سے برق بروئے زمیں گری،
وہ جلکے خاک ہو گیا جس کے قریں گری　　جس جا گری غضب میں وہ چین بہ جبیں گری
فی النار کفر ہو گیا مردود جل گئے
لیکن نہ ذوالفقار کے ابرو سے بل گئے

اٹکھیلیاں جو کر کے وہ لیلی ادا چلی　　کشتوں کا دیکھنے کو تماشا قضا چلی
رخ حور کا پری کا جھمکڑا دکھا چلی　　دیوانہ فوج شام کو ہنسکر بنا چلی
خوں سیکڑوں کئی پہ گنہ سے بری رہی
غائب نظر سے سب کی بشکل پری رہی

کیا کاٹ تھا کہ جس پہ گری اسکو کھا گئی　　تھی منہ کی یہ کڑی کہ زرہ کو چبا گئی
آئی جدھر کو خون کا دریا بہا گئی　　معشوق بنکے ناز و کرشمہ دکھا گئی
اک غل ہوا جدھر وہ دم جنگ پھر پڑی
لو برق آج خرمن ہستی پہ گر پڑی

چمکی جو فرق پر تو اڑائے سپر کے پھول　　جیسے اڑیں ہوا سے چمن میں شجر کے پھول

مرجھائے پھل سے تیغ کے گلشن میں ڈر کے پھول — دہشت سے ہاتھ پاؤں گئے ہر بشر کے پھول
ترچھی چلی تو برچھیوں والوں کو دو کیا
پیدل تمام کر کے رسالوں کو دو کیا
بھالا ہلا کے کوئی جو آگے بڑھا جواں — تھرائی ڈانڈ پھل نے لرز کر کہا کہاں
نوکِ سناں جھجک کے پکاری کہ الاماں — آئی تڑپ کے برق سی تیغ شرر فشاں
کھولے وہیں پہ تیغ نے عقدے طلسم کے
نیزے تو کیا جدا تھے عناصر بھی جسم کے
رکتی تھی ذوالفقار نہ گھوڑا نہ شہ کا ہات — ثابت قدم کے پاؤں کو اک دم نہ تھا ثبات
میداں سے کھیت چھوڑ کے بھاگے جو بدصفات — للکار کر یہ کہنے لگے شاہِ کائنات
فی النار اسنے کر دیا ہر اک شریر کو
کیوں دیکھا ذوالفقار جنابِ امیر کو
یہ سنکے شور اٹھا کہ شاہا پناہ دے — جاں آئی ہے لبوں پہ مسیحا پناہ دے
طوفاں اٹھا ہے فیض کے دریا پناہ دے — اے دیں پناہ مٹتی ہے دنیا پناہ دے
اے تشنہ لب رسول کی امت پہ رحم کر
اب بخشدے گناہونکو منّت پہ رحم کر
سُنکر یہ استغاثۂ امت رکے جو شاہ — گھوڑے نے بھی ٹھہر کے بھری دل سے سرد آہ
تھمتے ہی ذوالفقار کے خوش ہو گئی سپاہ — کیا حوصلہ تھا دلبرِ زہرا کا واہ واہ
فرمایا مسکرا کے شہِ مشرقین نے
طالب امان کے ہو تو اماں دی حسین نے

آئی ندائے غیب کہ شبیرؑ مرحبا ای جان فاطمہ شہ دلگیر مرحبا
کی عفو قاتلوں کی بھی تقصیر مرحبا اس معرکے میں روک لی شمشیر مرحبا
انداز صبر و رحم پیمبر دکھاوئے
کیا خوب تیغ صبر کے جوہر دکھادئے

کی عرض سر جھکا کے یہ شہ نے بانکسار میں بھی نثار اور مرا گھر بار بھی نثار
کھاؤں جو زخم نہصد و پنجاہ و یک ہزار اُف تک کروں زباں سی نہ مولا میں زینہار
خوش ہوں اگرچہ تیغوں سی تن چور چور ہو
قاتل چڑھے جو سینے پہ دل کو سرور ہو

کیا کیا شرف دئی مجھے ای مالک قدیر شکر انکا کس زباں سی کری بندہ حقیر
تو بے عدیل ہی کوئی تیرا نہیں نظیر ممنون تیری بندہ نوازی کا ہی فقیر
کیونکر نہ بار بار ترا شکر اب کروں
جب بے طلب عطا ہو تو کیوں میں طلب کروں

دولت وہ مجھکو صبر کی بخشی مرے کریم اک دوپہر میں جھیلا جو یہ صدمۂ عظیم
اب تشنگی سی گو کہ مرا حال ہی سقیم پر کچھ الم نہیں کہ تری ذات ہی رحیم
گو لشکر شقی میں نہیں کوئی اہل ہے
تیری کرم سی پیاس کی سختی بھی سہل ہے

مجھ سا ضعیف اور اٹھائے یہ بار صبر ممکن تھا ای کریم جو سہتا یہ ظلم و جبر
تڑپا دل و جگر پہ نہ رویا مثال ابر بازو کے غم میں ہاتھوں سی کھودی پسر کی قبر

گو آج ظلم و جور کی بس انتہا ہوئی
شکوے سے اب تلک نہ زباں آشنا ہوئی
آنکھوں کے آگے کٹ گیا لشکر میں چپ رہا سب قتل ہو گئے مرے یاور میں چپ رہا
برباد ہو گیا مرا سب گھر میں چپ رہا ہاتھوں پہ مر گیا علی اصغر میں چپ رہا
دکھ پیاس کے اٹھانے میں مجھکو کلام تھا
یہ صبر اور یہ ضبط بھلا میرا کام تھا
فوج ستم شعار یہ وقفہ جو پا گئی بدلی سی آفتاب امامت پہ چھا گئی
بھاگی ہوئی جو فوج تھی وہ سب پھر آ گئی کانپا سپہر رن کی زمیں تھرتھرا گئی
غل تھا چراغ خانۂ کعبہ کا گل کرو
خوف خدا نہ خاطر ختم رسل کرو
مینہ کیطرح برسنے لگے ہر طرف سے تیر غربال ہو گیا تن شاہ فلک سریر
یاں ایک جسم زار تھا حربے ادھر کثیر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے سینکڑوں شریر
تیغوں سے سارے عضو بدن چور ہو گئے
طاقت جواب دے گئی مجبور ہو گئے
نیزہ لگا جو سینے پہ اٹھا جگر میں درد مانند زعفران ہوا چہرے کا رنگ زرد
کس کرب سے جگر سے بھری شہ نے آہ سرد بہنے لگا لہو تو ہلا وادی نبرد
اسپر بھی کچھ زباں سے نہ مطلق گلا کیا
کھا کھا کے زخم شاہ نے شکر خدا کیا
مارا کسی نے فرق پہ اک گرز گاؤ سر ریش خضاب دار ہوئی سب لہو سے تر

تلواریں پسلیوں پہ پڑیں ہل گیا جگر سنبھلے نہ تھے کہ سر پہ لگا دوسرا تبر
گردن امام پاک کی ہرنے پہ جھک گئی
واحسرتا کہ سانس بھی سینے میں رک گئی

گھوڑے سے خاک پر جو گرے شاہ نیک خو زخموں سے جلتی ریت پہ بہنے لگا لہو
دیکھا نگاہ یاس سے حضرت نے چارسو ہنگام عصر تھا کہ جھکے آپ قبلہ رو
سب رنج یاد حق میں فراموش ہو گئے
سجدہ تمام ہوتے ہی بیہوش ہو گئے

کب خسرو سخن ہے جو شیریں زباں نہیں مطبوع طبع کب ہے جو رطب اللساں نہیں
سامع نہیں تو جلوہ حسن بیاں نہیں رنگ سخن ہے خاک اگر قدرداں نہیں
بے اہل شوق تیزی تقریر ہیچ ہے
بینا نہ ہوں تو جوہر شمشیر ہیچ ہے
گاہک نہ ہو تو گرمی بازار سرد ہے یوسف کا حسن غیر خریدار گرد ہے
بے صبح رنگ مہر جہانتاب زرد ہے ہاں بے طبیب گوہر شناسائی درد ہے
بے گل ترانہ سنجی بلبل فضول ہے
بے سرو فاختہ کی صدا بے اصول ہے
بے مشتری جواہر اعلیٰ کی قدر کیا کیا لعل کا شرف، در یکتا کی قدر کیا
بیمار ہی نہ ہو تو مسیحا کی قدر کیا مجنوں بغیر صورت لیلیٰ کی قدر کیا

عاشق ہو جب تو حسن صنم کا وقار ہے
بے عندلیب گل چمنستاں میں خار ہے

جب بے سپاہ قبلۂ دنیا و دیں ہوا اہل حرم کا قافلہ ماتم نشیں ہوا
برباد سب ریاض حسینؑ حزیں ہوا خوں غازیوں کا غازۂ روئے زمیں ہوا
ذرّہ ارم کو فوق نہ باغ جناں کو تھا
رشک اس زمیں پہ نہ چمن آسماں کو تھا

وہ سالکان وادئ اندیشۂ و فتن وہ رہروانِ مرحلۂ عشق ذوالمنن
وہ عاشقانِ دلبر شاہنشہ زمن وہ کشتگان خنجر درد و غم و محن
پرخوں پڑے تھے دشتِ مصیبت میں اسطرح
صحن چمن میں پھول بکھرتے ہیں جسطرح

گلچیں چمن سے پھولوں کو چن چن کے سحر رکھتے ہیں سائے میں کہ رہیں تازہ اور تر
زہرا کے پھول دھوپ میں جلتے ہیں خاک پر خنکی نہ تھی ہوا کی نہ تھا سایۂ شجر
چہروں پہ گرد تیغوں سے اعضا کٹے ہوئے
دامانِ زخم مثل گریباں پھٹے ہوئے

سب چل بسے ہجوم الم پاس رہ گیا داغِ مسافرانِ عدم پاس رہ گیا
بچھڑی سپاہ لشکر غم پاس رہ گیا ڈوبا ہوا لہو میں علم پاس رہ گیا
غربت میں ساتھ چھٹ گیا بیٹوں کا بھائی کا
اک دم میں خاتمہ ہوا ساری کمائی کا

اب حاضرین مجلس ماتم کریں بکا پڑھتا ہوں حال بیکسی شاہ کربلا

جس جا پڑا ہے لاشۂ ہمشکل مصطفیٰ وال چپ کھڑے ہیں ٹیکے ہوئے تیغ مرتضیٰ
آنکھیں پھرائے خاک پہ اکبر تو سوتے ہیں
یہ گھرے گھرے زخمونکو گن گن کے روتے ہیں

یہ درد دل یہ داغ یہ ضبط بکا یہ صبر یہ آفتیں یہ ظلم یہ جور و جفا یہ صبر
کسنے دیا یہ حوصلہ کسنے دیا یہ صبر بندی کو تیری فضل سی مولا ملا یہ صبر
ہوتی نہ پرورش اگر اس خستہ حال کی
میں لاش دیکھتا علی اکبر سے لال کی

یہ کہکے در پہ خیمے کے روتے ہوئے گئے پر گرد رخ کو اشکوں سی دھوتے ہوئے گئے
دامن سرشک غم سی بھگوتے ہوئے گئے رخصت ہر ایک لاش سی ہوتے ہوئے گئے
طاقت یہ گھٹ گئی تھی شہ تشنہ کام کی
طے کی جو اتنی راہ تو منزل تمام کی

رعشہ تھا دست و پا میں شہ خوشخصال کے کہتے تھے لے گیا کوئی دل کو نکال کے
بیت الشرف میں لے گئیں بہنیں سنبھال کے زینب یہ بولیں ہاتھونکو گردن میں ڈال کے
جلوہ کوئی گھڑی رخ انور کا دیکھ لوں
مسند پہ بیٹھئے کہ میں جی بھر کے دیکھ لوں

ٹپکا کے اشک بیٹھ گئے خاک پر امام فرمایا سوگوار ہوں قصہ ہوا تمام
جلتی زمیں پہ سوتے ہیں سب میرے لالہ فام باشندگانِ گور کو مسند سی کیا ہی کام
پیوند کوئی آن میں ہونا ہے خاک کا
اب ہم ہیں اور گرم بچھونا ہی خاک کا

زینب ہماری عون و محمد کو جلد لاؤ　　قاسم سے کہدو دولہا بنے بہر جنگ جاؤ
رخصت ہے اب حسینؑ کی عباس کو بلاؤ　　اکبر کو دو صدا کہ پدر کی مدد کو آؤ
جاتے ہیں گرد پیار سے پھر پھر کے روک لو
بیٹا پدر کے پاؤں پہ گر گر کے روک لو

حضرت نے رو کے دختر زہرا سے یہ کہا　　زینب تباہ ہو گئیں تم وا مصیبتا
میرے لئے گنوا دئے دو لعل بے بہا　　بن باپ کی بہن تری الفت کے ہیں فدا
یاد آئیگی لحد میں یہ الفت حسینؑ کو
تمنے بھلا دی ماں کی محبت حسینؑ کو

یہ بات کہکے زوجۂ مسلم پہ کی نگاہ　　رو کر کہا کہ لٹ گئیں غربت میں تم بھی آہ
دو بیٹے کربلا میں ہوئے قتل بے گناہ　　باقی تھے دو پسر سو وہ کوفے میں ہیں تباہ
خوں میں غریب باپ کی تصویر بھر گئی
کیا جانے ان یتیموں پہ واں کیا گذر گئی

قاسم کی ماں کو دیکھکے بولے شہ امم　　پیارا بھتیجا قتل ہوا مر گئے نہ ہم
منظور حق یہی تھا کہ رانڈیں ہوں سب بہم　　اک تم ہو اور فاطمہ کبرا اسیر غم
دارِ فنا میں اشک بہانے کو رہ گئے
ہم سب کے داغ دل پہ اٹھانیکو رہ گئے

دیکھا جو چھوٹے بھائی کی زوجہ کو سر جھکائے　　پلّہ چھڑا کے منہ سے سخن یہ زباں پہ لائے
رانڈ سالہ پہنے دیکھوں کن آنکھوں سے ہائے ہائے　　عباس قتل ہوں ہمیں ابتک نہ موت آئے

بازو کٹا کے شیر پڑا ہے کچھار میں
کیا اختیار مصلحت کردگار میں

ہمنے بھی جنگلوں میں پکارا بہت مگر دیکھا کہیں نہ انکو نہ پائی کہیں خبر
اب عزم ہی کہ ہم بھی جہاں سی کریں سفر ملجائے جلد باپ سی بچھڑا ہوا پسر
راحت ہو جس سے روح کو وہ کوچ نیک ہے
منزل ہماری اور علی اکبر کی ایک ہے

انکا مقام جو ہی وہ اپنا بھی ہی مقام ہم اور وہ ہونگے ایک ہی منزل پہ تابشام
دوری ہی ان سی زندہ ہی جبتک یہ تشنہ کام جب مرگئے تو سہل ہیں یہ مرحلے تمام
تھوڑا سہا ہے درد پسر کی جدائی کا
عرصہ ہی وصل میں تن و سر کی جدائی کا

روتے ہوئے یہ کہہ کے برآمد ہوئے جناب نکلا وہ مہر جسکا یہ ذرّہ ہے آفتاب
تہ کرکے زانوؤنکو فرس جھک گیا شتاب جلدی ہوا سوار وہ شاہ قمر رکاب
زیں پر نشست صاحب دلدل کی شان تھی
سب دبدبہ وہی تھا وہی آن بان تھی

طبع رواں ہی تنگ صفات سمند میں سو خوبیاں ہیں اسپ سلیماں پسند میں
رم میں ہرن خجل ہیں چکاری زغند میں پارا بھرا ہوا ہی ہر اک جوڑ بند میں
کرتا ہی سیر گنبد نیلی رواق کی
گھوڑا چڑھا ہوا ہی نظر پر براق کی

آواز کوس حرب سی تھرائے دشت وکوہ کھلنے لگے نشان سپاہ ستم پژوہ

بڑھ بڑھکے یکہ تاز دکھانے لگے شکوہ مجمع وہ شہرشام کا وہ روم کا گروہ
اسطرح صف کشی ہوئی دشت خراب میں
ہوں جسطرح ملی ہوئی سطریں کتاب میں

کوسوں وہ دشت گھوڑونکی ٹاپوں سے تھا نہاں کوفے کے شہر تاب تھی حد لشکر گراں
تیغیں وہ صیقلی وہ چمک انکی الاماں بے سایہ اس تپش میں کھڑی تھی شہ زماں
کثرت صفوں میں برچھیوں کی بیشمار تھی
یاں پیاسے اک حسین تھے اور ذوالفقار تھی

جب تیر پہلی صف سے چلے سر فروش پر دریائے قہر آگیا اسوقت جوش پر
ڈالی کڑی نگاہ ہر اک زرہ پوش پر نعرہ کیا یہ تیغ علی رکھکے دوش پر
ہاں میں ہزبر فاتح بدر و حنین ہوں
سبط نبی ہوں ابن علی ہوں حسین ہوں

پھر اسطرح دعوت جنگ دیتے ہیں۔

نکلے پرے سے اب کوئی ہے انتظار کیا پیدل ہماری سامنے کیا اور سوار کیا
مرنیکو ہم جب آئے تو سو کیا ہزار کیا اتنی چڑھائی ایک پہ یہ کارزار کیا
ہرگز عرب کا یہ نہیں دستور گو لڑیں
واں ننگ ہے کہ ایک سے میدان میں دو لڑیں

جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ آپ کی تلوار کے متعلق کہتے ہیں۔

آئی بدن میں سن سے توسن سے نکل گئی پہنچی قفا پہ گر تو دہن سے نکل گئی
پر خوں زرہ کو کاٹ کے تن سے نکل گئی گویا بہار آ کے چمن سے نکل گئی

بازو قلم تھا صدر رخش چُور چُور تھا
سر تن سے مثل برگ خزاں پیدا دور تھا

تھمتے نہ تھے سوار یہ تھی تیغ شہ کی دھاک — مجروح تھا کوئی کوئی بسمل کوئی ہلاک
بھاگے تھے چھاڑ تک جو فرس اڑ رہی تھی خاک — پنہاں تھا گرد میں شہ خاور کا روئے پاک
آتش جو دھوپ کی تھی وہ افسردہ ہو گئی
لاشوں کا بوجھ تھا کہ زمیں مردہ ہو گئی

انداز بیان

رخش حسین برق کبھی تھا ہوا کبھی — تھم کر کبھی چلا کبھی کودا اڑا کبھی
آنکھوں میں پھر گیا وہ کبھی اور چھپا کبھی — شہباز تیز بال کبھی تھا ہما کبھی
جب اڑ گیا چمک گئی نعل اسکے فوج پر
تاروں کیساتھ چار مہ نو تھے اوج پر

نکلا ادھر کی فوج سے اک خوں گرفتہ یل — مکار حیلہ ساز دغا باز پُر دغل
ڈنکا بجا بجے دہل و بوق بے محل — جرأت پہ مسکرائی ہزیمت ہنسی اجل
چاروں طرف صدا تھی یہ باجوں کے شور میں
لو جاہل اپنے پاؤں سے جاتا ہے گور میں

باندھی شقی نے آتے ہی نیزے کے چند بند — خیبر کشا کے شیر پہ پہنچی نہ کچھ گزند
بولے فرس بڑھا کے شہنشاہ ارجمند — ہاں باگ روک گر نہ پڑے منہ کے بل سمند
گھوڑا ملا کے لڑتے یہ چلن ہیں غیور کے
بودے ہیں وہ جو لڑتے ہیں حربوں سے دور کے

ـــہ یعنی گھوڑے بے تحاشا اور سرپٹ بھاگے۔

مقابلہ شروع ہوتا ہے۔ ذوالفقار کی روانی کو دیکھکر کہتے ہیں۔

اللہ ری تیغ صاعقہ کردار کی چمک　　پرتو ہی جسکا برق شرر بار کی چمک
جھجکا سفیہ دیکھ کے تلوار کی چمک　　گویا جگر میں ڈوب گئی دہار کی چمک
گھوڑا چراغ پا ہوا رانیں سرک گئیں
وہ کیا تمام فوج کی آنکھیں جھپک گئیں

مرقع نگاری

دبتا تھا جھک کے بڑھتا تھا گھٹتا تھا بار بار　　مڑتا تھا بیحواس تھا ہٹتا تھا بار بار
رہوار کو بڑھا کے پلٹتا تھا بار بار　　گھوڑا جھجک جھجک کے سمٹتا تھا بار بار
دھڑکا تھا خود اسکو کہ گرا اب زمین پر
گردن پہ تھا کبھی کبھی گھوڑے کی زین پر

ہشیار کر کے اسکو پکارا وہ شیر نر　　آتی ہی تیغ ہاں سرو گردن سے باخبر
ظالم نے جلد فرق پہ لی آہنیں سپر　　پستی پہ آئی کوند کے بجلی قریب سر
ترچھا چلا جو ہاتھ سعادت نشان کا
گردن فرس کی اڑ گئی سر پہلوان کا

اتنے میں ظہر کا وقت ہو جاتا ہے۔ آپ جنگ سے ہاتھ روک لیتے ہیں۔ لکھا ہے۔

رُکتے ہی تیغ دلبر شیر الٰہ کے　　گھر آئے آفتاب پہ بادل سپاہ کے
برسائے تیر سینۂ اقدس پہ شاہ کے　　دریا بہائے خون رسالت پناہ کے

وقت اخیر غش میں جو پایا حسینؓ کو
نیزہ لگا لگا کے گرایا حسینؓ کو

گرتے ہی خوں سے زخموں کے تر ہو گئی زمیں　　بیٹھے سنبھل کے قبلہ کی جانب امام دیں
سورہ زباں پہ تھا کہ لگی سر پہ تیغ کیں　　رکھدی زمیں پہ خون میں ڈوبی ہوئی جبیں
غل عرش پر ہوا کہ سرافگندگی یہ ہے
طاعت یہ ہے نماز یہ ہے بندگی یہ ہے

اللہ اکبر آپ نے یہ کہکر اٹھایا سر　　چاہا کہ خم ہوں دوسرے سجدے کو خاک پر
سینے پہ اک سناں جو لگی چھد گیا جگر　　سیدھے گرے تو پہلوئے چپ پر لگا تبر
کی دل سے آہ فاطمہ کے نور عین نے
آنکھیں تڑپ تڑپ کے پھرا دیں حسینؓ نے

تنہا ستم کی فوج میں زہرا کا لال ہے　　تیغیں کھنچی ہیں شور جدال و قتال ہے
لو چل رہی ہے دھوپ کی شدت کمال ہے　　حیدر کے آفتاب پہ رن میں زوال ہے
امت کے ہیں یہ ظلم نبی کے نواسے پہ
نرغہ ہے سو ہزار کا اک بھوکے پیاسے پر

فاقہ سے تین دن کے ہیں شاہ فلک جناب　　چہرہ کا رنگ زرد ہے مانند آفتاب
سینے میں دل جو پیاس کی شدت سے ہے کباب　　کانٹے پڑے ہیں منہ میں نہیں بولنے کی تاب

پانی ملا نہیں جو شہ انس و جان کو
ہونٹوں پہ پھیر لیتے ہیں سوکھی زبان کو
ناگاہ ابر فوج ستم شہ پہ چھا گیا گویا گہن میں ماہ فلک سیر آگیا
نیزہ کوئی جو سینۂ شہ پر لگا گیا لرزہ ہوا زمیں کو فلک تھرتھرا گیا
لغزش میں باگ ہاتھ سے چھوٹی جناب کے
اور پاؤں سے نکل گئے حلقے رکاب کے
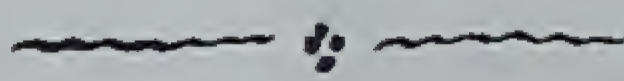
غربت میں جب حسین سے پیارا پسر چھٹا دلدار سے رسول کے لخت جگر چھٹا
حیدر کے آفتاب سے رشک قمر چھٹا زہرا کے نور عین سے نور نظر چھٹا
تصویر مٹ گئی جو رسالت پناہ کی
دنیا سیاہ ہو گئی آنکھوں میں شاہ کی
بھائی کے بعد ماتم فرزند الاماں نوک سنان و قلب جگر بند الاماں
ٹکڑے ہوا کلیجے کا پیوند الاماں بیکس ہو یوں جہاں کا خداوند الاماں
صدمہ فراق روح کا بسمل سے پوچھیے
برچھی کا زخم جسمیں ہوا اس دل سے پوچھیے
یارب کسی بشر کو یہ جانکاہ غم نہ ہو سب دکھ ہوں پر فراق پسر کا الم نہ ہو
تیغ جفا سے نخل تمنا قلم نہ ہو آرام جاں جو ہو وہ جدا ایک دم نہ ہو

ویراں مکاں ہی گود کا پالا اگر نہیں
اندھیر بھر ہی گھر کا اجالا اگر نہیں
ہجر پسر میں زیست ہی مشکل حسینؑ کو ہی انتظار خنجر قاتل حسینؑ کو
کرتی ہی مضطرب طپش دل حسینؑ کو تسکیں نہیں ہی صورت بسمل حسینؑ کو
دست الم سی جیب قبا تار تار ہے
ٹوٹی ہوئی کمر ہے کلیجہ فگار ہے
دل پر جو داغ فرقت نور نگاہ ہے چشم شہ زماں میں زمانہ سیاہ ہے
درد جگر سے قلب کی حالت تباہ ہے ہر دم زباں پہ نعرۂ وا اکبر آہ ہے
نوحے کبھی ہیں اور کبھی آہ سرد ہے
دشمن بھی رو رہی ہیں وہ نالو نمیں درد ہے
کہتی ہیں دل سی ہائے وہ لخت جگر نہیں بینائی کیوں نہ کم ہو کہ نور نظر نہیں
راحت کہاں کہ راحت جان پدر نہیں خاک اس حیات پر کہ پدر ہی پسر نہیں
پیری کا جو عصا تھا وہ ہاتھو نسی چھٹ گیا
اک عمر کا ریاض ضعیفی میں لٹ گیا
بچھڑا پدر سی یوسف ثانی ہزار حیف گم ہو گئی نبی کی نشانی ہزار حیف
لوٹا خزاں نے باغ جوانی ہزار حیف گل سا وہ رخ وہ غنچہ دہانی ہزار حیف
جھونکا سموم غم کا کبھی یوں چلا نہ تھا
کاٹا گیا وہ نخل جو پھولا پھلا نہ تھا
جو گھر کی روشنی تھا وہ گل ہو گیا چراغ قوت تھی جس سی دل کو اسی کا ہی دل پہ داغ

اب جینے جی نہیں الم و درد سے فراغ جس سے بہار زیست کی تھی اٹ گیا وہ باغ
جھونکا سموم غم کا کبھی یوں چلا نہ تھا
کاٹا گیا وہ نخل جو پھولا پھلا نہ تھا

میداں میں دیکھکر یہ صف آرائی سپاہ آئے قریب فوج شہنشاہ دیں پناہ
حجت تمام کرنیکو وہ حجّت الاہ یوں مستغیث ہو کے پکارا باشک و آہ
اے قوم میں نبیرۂ خیر الانام ہوں
اللہ سے ڈرو میں تمہارا امام ہوں

سیّد پہ بیوطن پہ مناسب نہیں یہ جور جہاں سے بغض کون سے مذہب کا ہے یہ طور
انصاف سے کرو تو ذرا تم دلوں میں غور میں بنتِ مصطفےٰ کا پسر ہوں کہ کوئی اور
آل نبی پہ ظلم مروت سے دور ہے
آخر بتا تو دو کہ مرا کیا قصور ہے

ہے کوئی حق پرست کہ آکر مجھے بچائے خوفِ خدا کرے مری غربت پہ رحم کھائے
مظلوم کے غریب کے بیکس کے کام آئے پیاسا ہوں تین روز سے پانی مجھے پلائے
ان آفتوں میں آل نبی سے وفا کرے
یعنے حفاظتِ حرم مصطفےٰ کرے

سنکر یہ استغاثۂ فرزند بو تراب سب سرنگوں ہوئے نہ دیا ایک نے جواب
حضرت نے لاشۂ شہدا سے کیا خطاب اٹھو دلاورو کہ نہیں ہے یہ وقتِ خواب
فرزندِ مصطفےٰ کی اطاعت میں کد کرو
تنہائی میں امام زماں کی مدد کرو

ہاں ہو یہی مدد کا مقام اے مجاہدو گھیری ہو مجھکو لشکر شام ای مجاہدو
ہی ہر طرف سی بلوۂ عام اے مجاہدو تنہا ہو دشمنوں میں امام ای مجاہدو
نرغے سی ظالموں کے نکالو حسین کو
طاری ہو ضعف آکے سنبھالو حسین کو

ای ناصران سبط پیمبر جواب دو ای عاشقان دلبر حیدر جواب دو
ای غازیانِ حجت داور جواب دو کیوں سو رہی ہو خاک پہ اٹھکر جواب دو
بیٹا نہیں برادر عالی گہر نہیں
مجھ پر یہ آفتیں ہیں تمہیں کچھ خبر نہیں

ای ابن قیس و ابن مظاہر مدد کو آؤ ہاں ای ہلال و وہب مسافر مدد کو آؤ
ای زید و قیس و عابسؓ عامر مدد کو آؤ مسلم کے لاڈلو دم آخر مدد کو آؤ
ای دو شبانہ روز کے پیاسو کدھر ہو تم
مرتا ہوں ای علی کے نواسو کدھر ہو تم

ای قاسمِ دلبر اعانت کو میری آؤ عباس نامور مجھے تیغوں سی تم بچاؤ
اکبر کہاں ہو آکے مرا حال دیکھ جاؤ کب سی پکارتا ہوں صدا تو مجھے سناؤ
آتے ہیں غش پہ غش مری ہاتھوں میں ہاتھ دو
بیکس پدر کا عالم پیری ہیں ساتھ دو

پھر دفعتاً جادۂ تسلیم و رضا پر نظر پڑتی ہے۔ اضطراب قلب صبر و شکر سے تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور آپ جذبۂ نو کی اثر انگیز کیفیات سے متکیف ہو کر فرماتے ہیں۔

ایذا ہی تیری راہ میں راحت مری لئے
یہ بھوک اور یہ پیاس ہی نعمت مری لئے
ہی خلعتِ حیات شہادت مری لئے
کافی ہی فخر تاج شفاعت مری لئے
دکھ کا نہ رنج کا نہ مصیبت کا دھیان ہی
مجھکو تیری حبیب کی امت کا دھیان ہی

اب تن پہ سر ہی اے مری پروردگار بار
ایک اک نفس ہی زندگیٔ مستعار بار
گر ہوں نثار راہ میں تیری ہزار بار
افزوں ہوا اشتیاق شہادت کا بار بار
ایذائے تیغ ہجر سے دل بیقرار ہے
آقا غلام قرب کا امیدوار ہے

اتنے میں فوج شام سے تیر باری ہوتی ہے ۔ آپ بھی تلوار نکال لیتے ہیں ۔ تلوار کے متعلق کہتے ہیں ۔

کاٹھی سی یوں ہوئی وہ تجلی نشاں جدا
جیسے کبھی ہو ابر سی برقِ طپاں جدا
غل تھا ہمائے فتح سے ہی آشیاں جدا
جلد جدا ہی جوہش ابرو کماں جدا

اسی سلسلہ میں یہ بند شاعرانہ انداز بیان کی عمدہ مثال ہے ۔

وہ تیغ اور وہ ساعد نورانیٔ حضور
ہی کہکشاں کا پنجۂ خورشید سے ظہور
روشن ہی نخل وادیٔ ایمن پہ شمع نور
یا دستیاب ہی ید بیضا کو برق طور
حاصل ہی اوج قبضے کو دستِ جناب سے
ہیں فیضیاب بدر و ہلال آفتاب سے

وہ تیغ کا فروغ وہ رخسار کی ضیا
جس سی خجل ہی مہر ضیا بار کی ضیا

ابرو ہیں مثل تیغ خمیدہ جلال سے
ضم ہے دعائے نور دعلائے ہلال سے

حضرت جنگ سے قبل رجز خوانی کرتے ہیں۔

نعرہ ہے یہ کہ ابن امیر عرب ہوں میں　　جد جسکے ہیں رسول وہ عالی نسب ہوں میں
ایجاد آسمان و زمیں کا سبب ہوں میں　　شاہد ہے خود الہ کہ شیدائے رب ہوں میں
ابن علی ہوں نور نگاہ بتول ہوں
کافی ہے بس یہ فخر کہ سبط رسول ہوں

روشن ہمارے نور سے ہے آسمان دیں　　ہم سے ہے اوج پایۂ اورنگ شان دیں
قائم ہے تا بہ حشر ہمیں سے نشان دیں　　ہمکو کیا خدا نے خدیو جہان دیں
سرسبزی حدیقۂ ایماں ہمیں سے ہے
آباد ملک حکمت و عرفاں ہمیں سے ہے

پیشقدمی

فرماتے تھے یہ شاہ کہ اہل جفا بڑھے　　گھوڑے بڑھا کے بانی ظلم و دغا بڑھے
ڈھالیں اٹھا اٹھا کے بہم اشقیا بڑھے　　جسطرح جھوم جھوم کے کالی گھٹا بڑھے
دامن اڑے علم کے صف روسیاہ پر
ظلمت ہوئی محیط سواد سپاہ پر

اس فوج سے جو تیر ستم بار بار آئے　　غصے میں آپ مثل شہ ذوالفقار آئے
ظالم پہ جسطرح غضب کردگار آئے　　یوں غیظ میں صفوں پہ شہ نامدار آئے

اسی سلسلۂ بیان میں تیغ آبدار کی تعریف اسطرح کرتے ہیں۔

تیزی وہ دست پاک کی وہ آب و تاب تیغ کیا منہ کسی کا تھا کہ جو دیتا جواب تیغ
طوفاں کی موج سے تھا فزوں اضطراب تیغ بڑھکر گلوں تک آگیا دریائے آب تیغ
اتری بھی یہ تو خون سروں پہ چڑھا رہا
دو چار ہاتھ باڑھ کا پانی بڑھا رہا

شامی تمام کشتۂ شمشیر ہو گئے بیجاں جوان لشکر بے پیر ہو گئے
گر گر کے مرکبوں سے زمیں گیر ہو گئے پس پس کے تن مٹی ہوئی تصویر ہو گئے
ڈالی تھی سرکشوں نے بنائے ستم کی طرح
مسمار صورتیں ہوئیں نقش قدم کی طرح

معرکہ آرائی

اللہ رے روانئ تیغ شہ نجف جاری لہو کی دشت میں نہریں تھیں ہر طرف
بس صاف کر دیا اسے آگے بڑھی جو صف برباد جسم ہو گئے جانیں ہوئیں تلف
زخموں سے چور چور جو پیماں شکن ہوئے
خلعت جو تن پہ تھی وہی آخر کفن ہوئے

نقشۂ میدان جنگ

پامال ہو چکے تھے برابر زمین پر توسن تھے پیکروں پہ تو پیکر زمین پر
گر گر کے لوٹتے تھے سر اس سرزمین پر تھی گرد برد فوج ستمگر زمین پر
تن پارہ پارہ تھے دل بیتاب کی طرح
کشتہ ہر اک تڑپتا تھا سیماب کی طرح

چلتے تھے چار سمت جو تیغ دو دم کے ہاتھ دہشت سے اٹھ نہ سکتے تھے اہل ستم کے ہاتھ

سرتاقدم وہ دو نھا پڑا جسپہ جم کے ہاتھ　　غل تھا کہ آج کھیت ہی شاہ امم کے ہاتھ
اس ہاتھ سی جہاں کے زبردست زیر ہیں
انبار زخمیونکے ہیں لاشوں کے ڈھیر ہیں

دیکھی جو ابن سعد نے لشکر کی ابتری　　کانپا جگر تو پڑ گئی اعضا میں تھرتھری
چلایا کیا ہوئے وہ جوانانِ خیبری　　کس جا ہیں روم وشام کی جنگ آزماجری
کوئی کدھر ہیں یرے کے ولاور کدھر گئے
سب ایک تشنہ لب کی لڑائی سی ڈر گئے

لشکر تمام کٹ گیا جانوں پہ آ بنی　　نکلا مگر نہ یاں سی کوئی تیغ کا دھنی
دکھلایا ایک نے بھی نہ زور تہمتنی　　کس جا ہیں جو تھی مستعدِ شیر افگنی
بھولے امیر شام کے حکم سشدید کو
کیا منہ دکھائینگے یہ سپاہی یزید کو

اک پہلواں تھا فوج مخالف میں نامور　　بد عہد و بد سرشت و بداقوال و بدسیر
بدکیش و بدنہاد و بد آئین و بد گہر　　بدخلق و بدزبان و بداعمال و بدنظر
فوجِ ستم میں سب سے زبردست تھا لعیں
کیفِ شراب کفر سی بدمست تھا لعیں

وہ صورتِ مہیب کہ ڈر جائے جس سے دیو　　ہم رزم سام و رستم و اسفندیار و گیو
ملکِ خدیعت و ستم و جور کا خدیو　　سر میں غرور طبع میں جہل و نفاق و ریو
نام اس جفاشعار و شقی کا ہنیم تھا
زور آور و جوان و لحیم و شحیم تھا

سنکر سخن عمر کے بڑھا خود وہ پرغرور بولا یہ آنکر پسر سعد کے حضور
یہ اعتراض فوج پہ انصاف سی ہی دور توآپ بدحواس ہی لشکر کا کیا قصور
بے حکم کسطرح کوئی بڑھکر وغا کرے
افسر ہی بزدلا ہو تو پھر فوج کیا کرے

میں دیر سی ہوں منتظر حکم کارزار دیکھا مری طرف نہ مگر تو نے ایکبار
واقف نہیں ہی تو مری جرأت سی زینہار میں اپنی قوم میں ہوں نمودار و نامدار
دکھلاتا ہوں ہنر تجھے تیغ آزمائی کا
لے صف سے بڑھکے دیکھ تماشا لڑائی کا

یہ کہکے جھومتا ہوا نکلا ستم پژوہ جسطرح زلزلے میں ہو جنباں زمیں پہ کوہ
گھوڑی پہ آگے آگے وہ سرکش بصد شکوہ پیچھے کمک کو اسکے رفیقوں کا اک گروہ
ان اپنی سب رفیقوں کا افسر تمیم تھا
ہاتھی پہ دیو تھا کہ فرس پر یتیم تھا

سپاہیانہ تعلی

اس طنطنے سی رن میں جو آیا وہ پیلتن باصد غرور و لاف ہوا تھم کے نعرہ زن
میں ہوں دلیر عصر و جوانمرد و صف شکن رستم بھی سیکھ جائے لڑائی کی مجھ سی فن
شہرت مری کمال کی ہے شہر شہر میں
چرچا ہی میرے زور کا گردان دہر میں

سہراب سامنے مری آئے یہ کیا مجال ارجن مری کمان اٹھائے یہ کیا مجال
بیژن مری کمال کو پائے یہ کیا مجال اسفندیار آنکھ ملائے یہ کیا مجال

بیجاں ہو دیو گر مری قوت کو جان لے
لوہا سپہ گری کا نریمان مان لے

یہ سنتے ہی ہوئے متبسم امام دیں فرمایا بس زبان سنبھال اپنی او لعیں
لاف و گزاف اہل وہنر کو روا نہیں ان بھبکیوں سے ڈرتے ہیں شیر عجم کہیں
پہچان لینگے وہ تجھے جو خوش نہاد ہیں
وہ چار پہلوانوں کے بس نام یاد ہیں

اوروں کا ذکر کیا کوئی اپنا ہنر دکھا بڑھکر کمال نیزہ و تیغ و تبر دکھا
جوہر سپہ گری کے کچھ او بد گہر دکھا دعوائے رستمی ہے تو ہاتھو نسے کر دکھا
ہے وقت جنگ ختم کر اب داستاں کہیں
کرتی ہے کام تیغ کا تیغ زباں کہیں

سننا تھا یہ کہ طیش میں وہ بیحیا بڑھا ننگ سپاہ جانب شیر وغا بڑھا
جب تیغ لیکے دلبر دست خدا بڑھا دو تین بار خوف سے سرکش گھٹا بڑھا
برق نگاہ مہر نے بیتاب کر دیا
تلوار کی چمک نے جگر آب کر دیا

ہاں اے قلم روانئ تیغ زباں دکھا تصویر حرب و ضرب امام زماں دکھا
رنگ وغائے بادشہ انس و جاں دکھا شمشیر آبدار کو آتش فشاں دکھا
مضموں کی یوں تڑپ ہو ہر اک بیت صاف میں
غل ہو کہ برق کوند رہی ہے مصاف میں

ہوتا ہے تیغ تول کے وہ حملہ ور کبھی خود جھک کے ڈھال لاتا ہے بالائے سر کبھی

کرتا ہی رک کے تیغ دوسر پر نظر کبھی　　آتا ہی دب کے گاہ ادھر اور ادھر کبھی
دل مضطرب ہی پاؤں کا تھمنا محال ہی
سرسبزی کیسی کھیت میں جمنا محال ہی

شعلہ حسام کا جو چمکتا ہے دمبدم　　بل کھا کے دور سی وہ لپکتا ہی دمبدم
آ کر قریب زد کے جھجکتا ہی دمبدم　　بڑھتا ہی بار بار سرکتا ہے دمبدم
طاقت کہاں ہی بڑھنے کی اس نابکار کو
لائی ہی موت شیر کے منہ پر شکار کو

جھنجلا کے دانت پیس رہا ہی وہ پرغرور　　ہیں دیکھ دیکھ کر متبسم ادہر حضور
کٹ کٹ کے وار کرتا ہی پیہم وہ بے شعور　　پھرتی سی خالی دیتے ہیں ہر دم شہ غیور
قابو پہ دہ گذرتا انہیں کا کمال ہے
باقی اسے ہوس نہ رہی یہ خیال ہے

عاجز ہوا جو رد و بدل میں وہ کینہ ور　　کچھ دست پاچہ ہو گیا تلوار روک کر
چاہا کہ باگ پھیر کے لوں راہ فوج شر　　پھر یہ ڈھال روک کی دیکھا ادہر ادہر
وہ خودسری رہی نہ وہ دعویٰ ستیز کا
پھر پھر کے ڈھونڈنے لگا پہلو گریز کا

چلائے اسطرف سی رئیسان فوج شام　　ہاں ہاں مٹیں نہ پاؤں یہ ہی وقت ننگ و نام
ہشیار اے تمیم یہ جرأت کا ہی مقام　　مردانہ معرکہ میں دکھا جوہر حسام
شہرہ تری کمال کا ہے ہر دیار میں
ہوش و حواس جمع رہیں کارزار میں

فرمایا شہ نے تیغ دو پیکر کو تول کر | بس تھا اسی ہنر پہ وہ دعویٰ شور و شر
آمد میں تو وہ جوش و خروش اور کرّ و فر | چوٹیں کڑی پڑیں تو ہوا نرم اس قدر

جتنی زباں تھی سخت دل اتنا کڑا نہیں
کیوں تھک گیا ابھی تو کچھ ایسا لڑا نہیں

استادہ ہیں کمک کو تری سب رفیق و یار | کرتے ہیں دل بڑھانیکی تقریر بار بار
تنہا ہوں میں بچھڑ گئے سب میرے غمگسار | بے دفن ہیں زمیں پہ عزیزان گلعذار

ہفتاد و دو ہیں داغ دل مستہام ہے
ان حادثوں میں جنگ یہ میرا ہی کام ہے

یہ سنکے ہو گیا وہ خطا کار منفعل | پھر آتش حسد ہوئی سینہ میں مشتعل
مہمیز کر کے اسپ کو آ پہنچا متصل | وارا وچھے اوچھے کرتا تھا مضبوط کر کے دل

قرباں ہو اس دلبر خیر الانام پر
ضرب اسکی روکتے تھے شہ دیں حسام پر

حضرت پہ وار کرتا تھا جسدم وہ کینہ خواہ | پھرتی سے روکتے تھے شہنشاہ دیں پناہ
یاں سے چلی جو سیف شہ عرش بارگاہ | رکھکر سپر کو خود پہ سمٹا وہ روسیاہ

ظلمت ادہر تھی ڈھال میں ضو تیغ شاہ میں
بجلی چمک کے چھپ گئی ابر سیاہ میں

دو کر چکی سپر کو جو شمشیر سر شگاف | مثل قلم ہوا سر بیداد گر شگاف
سینہ دو پارہ قلب دو نیم اور جگر شگاف | تن دو طرف جھکا جو ہوا تا کمر شگاف

گرنے میں پاؤں الجھی رکاب بلند سے
چہرہ شقی کا ملگیا نعل سمند سے

پسپا ہوئیں صفوف جنود سقر مقام　　پھر بڑھ کے حملہ ور ہوئے شاہنشہ انام
گھوڑے کی وہ تڑپ وہ درخشانی حسام　　دب دب کے راس وچپ کو ہٹی فوج روم و شام
حائل جو مورچے تھے وہ خوں میں نہا گئے
لڑتے ہوئے حضور ترائی میں آ گئے

آئی ہوائے سرد جو دریا سے بار بار　　یاد آ گئی وفائے علمدار نامدار
بھائی کی لاش کو یہ صدا دی بحال زار　　عباس یاں تک آیا ہے لڑتا یہ دلفگار
پڑتی ہے دھوپ فاطمہ کے نور عین پر
سایہ علم کا اب نہیں کرتے حسین پر

یہ کہہ کے آئے نہر پہ سلطان نیک خو　　گھوڑا مثال آب اتر آیا میان جو
پانی لیا جو نہر سے جھک کر پے وضو　　آیا ادھر سے ایک کماندار دو بدو
تھا خاتمہ عناد کا اس روسیاہ پر
مارا شقی نے تیر لب خشک شاہ پر

مجروح ہو گئے لب لعل شہ ہدا　　درج دہن سے دو در دنداں ہوئے جدا
تر ہو گئی لہو سے تن پاک کی قبا　　چلو میں تھا جو آب وہ خونناب ہو گیا
صدمہ ہوا کمال دل دردناک پر
پانی کو جلد پھینک دیا شہ نے خاک پر

اتنے میں جو بڑھے سوئے مقتل شہ امم تنہا کے گرد آ گیا پھر لشکر ستم
برسے خدنگ ظلم سنانیں ہوئیں علم تیغ و تبر کے چلنے لگے وار دمبدم
دو لاکھ میں ہر ایک تھا دشمن امام کا
تیغوں سے چور چور ہوا تن امام کا

آتے تھے بار بار امام زمن پہ تیر ہر سمت سے برستے تھے تشنہ دہن پہ تیر
ساہی کے خار سے تھے عیاں سارے تن پہ تیر سر سے قدم تلک تھے لگے سب بدن پہ تیر
پرزے تھا سب لباس تن چاک چاک پر
مثل زرہ چھنی تھی قبا جسم پاک پر

وہ بیکسی وہ چار طرف فوج کا ہجوم وہ اقتلوا الحسین کی اہل جفا میں دھوم
ظاہر سے زخمیوں کیلئے پیاس کا لزوم اسپر وہ قحط آب وہ دھوپ اور وہ سموم
حالت تھی غیر لخت دل بوتراب کی
پیہم تھی خشک لب پہ صدا آب آب کی

وہ ابر ظلم اور وہ زہرا کا ماہ آہ! بیکس پہ نرغۂ سپہ روسیاہ آہ
زخم سنان و جسم شہ دیں پناہ آہ! سنگ اور جبین سید ابرار آہ آہ
سنبھلا نہ جاتا تھا شہ عالی جناب سے
تھرا رہے تھے پاؤں نکلکر رکاب سے

جھک جھک کے پشت زیں پہ سنبھلتے تھے دمبدم لختے لہو کے منہ سے اگلتے تھے دمبدم
تیغوں کے وار فرق پہ چلتے تھے دمبدم زخموں کا خون چہرے پہ ملتے تھے دمبدم

اس حالت میں ایک تیر گلے میں پیوست ہو جاتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

گھبرا کے دم رکا جو گلے میں امام کے
زین فرس پہ جھک گئے ناوک کو تھام کے
جب سامنے سے کھینچ نہ سکا ناوکِ ستم جھک کر قفا سے اسکو نکالا بصد الم
سیدھے ہوئے تو سر پہ لگی تیغ برق دم شق تا جبیں ہوا سر شاہنشہ امم
سنبھلے تو وار نیزوں کے شانے پہ پھر پڑے
مدہوش ہو کے خاک پہ گھوڑے سے گر پڑے
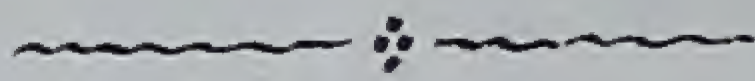
تاجِ زری جو سر پہ رکھا آفتاب نے الٹا نقاب صبح صباحت مآب نے
تاروں کو آسماں پہ چھپایا سحاب نے ہمراہ شب سفر کیا آنکھوں سے خواب نے
بڑھکر شفق جو رنگِ شہادت دکھا گئی
سرخی رخوں پہ آل محمدؐ کے چھا گئی
کاندھے پہ تیغیں رکھ کے لگے جھومنے وہ شیر صابر مطیع علم خدا پر جگر دلیر
نعرے یہ تھے کہ سیر ہے دنیا کی دل ہے سیر جی چاہتا ہے اب کہ شہادت میں ہو نہ دیر
آتش ہے خاک و آب و ہوا دہر زشت کی
یارب دکھا دے جلد فضا اب بہشت کی
انگڑائی لیکے کہتا تھا کوئی فلک مقام دربار مصطفےٰ میں ہمیں ہو گی آج شام

لکھے ہیں لوح پر شہدا میں ہمارے نام آنکھوں میں کیا سمائے یہ فوج اور اژدھام
قبضے میں تیغ اٹھ کے اگر آستین لیں
یہ نہر کیا ہے کوثے و دم بھر میں چھین لیں

کہتا تھا کوئی نوں کے شمشیر خوش غلاف کرتی ہے اسکی ضرب دل کوہ میں شگاف
پروا ہمیں نہیں جو زمانہ ہے برخلاف کر دینگے دم میں صاف صفوں کو دم مصاف
قبضے میں اسکے مملکت غرب و شرق ہے
آتش ہے قصر تن پہ یہ خرمن پہ برق ہے

نیزہ اٹھا کے کہتا تھا کوئی فرشتہ خو شیروں سے آج بچکے کدھر جائینگے عدو
بڑھ جائیگی عنایت خالق سے آبرو بہنے لگے گا خون کا دریا کنار جو
نعرہ ابھی کریں تو جگر شق ہو رعد کا
اسکی سناں پہ ہوئیگا سر ابن سعد کا

کہتا تھا کوئی چاند سی چھاتی کو تان کے شہرے ہیں شہر میں شیروں کی شان کے
چار آئینے کو توڑینگے تیر اس کمان کے لالے پڑینگے شمر سیہ رو کو جان کے
بھاگے گا رن سے خوں میں وہ سرکش بھرا ہوا
خولی پہ خالی ہوگا یہ ترکش بھرا ہوا

انداز بیان

کیا صبح تھی کہ غم تھا ہر اک شے سے آشکار سر پہ زمیں بھی خاک اڑاتی تھی بار بار
بدلی تھی آسماں نے قبائے ستارہ دار شبنم الم میں شام سحر رو تی تھی زار زار

اک تیرگی تھی لالۂ احمر کے داغ پر
بو گل کی سر پٹکتی تھی دیوار باغ پر
غم چھا گیا تھا دل پہ ہر اک ذی حیات کے شبیرؑ کے ہونکتے تھے کناری فرات کے
ذکر خدا تھا گھر میں شہ کائنات کے محو دعا تھے جاگے ہوئے ساری رات کے
غل تھا پڑی ہیں جان کے لالے حسینؑ کو
یارب ستمگروں سے بچالے حسینؑ کو
فارغ ہوئے سحر کی دعاؤں سے جب امام کی عرض خادموں نے ادب سے پس از سلام
قائم رہے شکوہ شہنشاہ خاص و عام آراستہ ہے نور کے تڑکے سے فوج شام
نکلا رئیس لشکر کیں بارگاہ سے
رستے رکے ہوئے ہیں ہجوم سپاہ سے
ہیں مورچے درست مرتب صفیں تمام دریا کے گھاٹ پہ ہے سوار و نکا ازدحام
اک شور ہے کہ پانی کو دیکھیں نہ تشنہ کام منظور ہے کہ پیاس سے مضطر رہیں امام
بچے تڑپ تڑپ کے زمیں پر تمام ہوں
مطلب ہے انکا پیاس سے مضطر امام ہوں

محاکات

یہ سنکے کانپنے لگے عباس نامور مڑ کر مثال شیر ترائی پہ کی نظر
اکبر بھی سر ہلانے لگے ہونٹ چاب کر گھبرا کے اٹھ کھڑے ہوئے سلطان بحر و بر
سوچے کہ جان دیتا ہے ایک ایک نام پر
یہ شیر جا پڑیں نہ کہیں فوج شام پر

فرمایا دیکھکر سوئے عباس نیک نام　　صابر رہو یہ غیظ و غضب کا نہیں مقام
مشتاق مرگ ہی پسر سید الانام　　کرین کسیں جدال پہ پانی کے بھی تشنہ کام
گر جاں عزیز ہو تو نہ جنگ و جدل کرے
جو جسکی رائے ہو وہ اسی پہ عمل کرے

کی عرض اس حبیب نے شہ خاص و عام سے　　مولا وغا ٹپکتی ہی سب کے کلام سے
باہم یہی سبھوں کا ارادہ ہی شام سے　　پیاسے گلوں کو پہلے کٹائیں امام سے
تیر ایک آنے پائے نہ سینے پہ شاہ کے
ہم سب لہو گرائیں پسینے پہ شاہ کے

روتے حرم سرا میں گئے قبلۂ انام　　گرد قمر تھے مثل نجوم اقربا تمام
ہشیار سب کے شہ نے بہن سے کیا کلام　　زینب وغا طلب ہی سحر سے سپاہ شام
لکھتے ہیں کہ

یہ سنکے جان اہل حرم کی نکل گئی　　غم کی چھری کلیجے پہ زینب کے چل گئی
چہرے کا رنگ اڑ گیا صورت بدل گئی　　اُمڈا یہ دل کہ اشکوں کی ندی ابل گئی
چلائیں یا رسول اس آفت کو رد کرو
یا شیر کردگار پسر کی مدد کرو

بیٹوں کو پھر بلا کے الگ روئیں اور کہا　　دیکھی تو ہو گی کثرت افواج اشقیا
کم ہی بہت سپاہ شہنشاہ کربلا　　ہشیار میرے بھائی بھتیجوں سے اک ذرا
دم بھر رکاب سید خوشخو نہ چھوڑنا
صدقے گئی حسینؑ کا پہلو نہ چھوڑنا

مادر سے مسکرا کے یہ بولے وہ ذی شعور　　میدان کربلا میں چلیں تو بھلا حضور
خود جنگ کی امنگ ہے جرأت کا ہے وفور　　مرنے میں خادموں سے نہ ہوگا کبھی قصور
الٹینگے صف پہ صف کہ جری ہیں دلیر ہیں
شیر آپ کا جو پی کے پلے ہیں وہ شیر ہیں

بیٹوں سے تھی یہ زوجۂ مسلم کی گفتگو　　پیارو تمہارے ہاتھ ہے بیوہ کی آبرو
جاتے ہیں رزمگاہ میں شبیرؑ نیک خو　　ہاں فوج کم ہے اور ہزاروں ادھر عدو
ایسے لڑو کہ فوج ستمگار گرد ہو
لو اپنے باپ کا عوض انسے جو مرد ہو

آنکھوں میں اشک بھر کے یتیموں نے یہ کہا　　پہلے وغا کی ہم کو دلا دیجئے رضا
بچے تو ہیں مگر پسر شاہ لافتا　　سر کوفیوں کے خاک پہ لوٹینگے جابجا
مجرم اگر نہ حکم بجا لائیں آپ کا
کیا حال بھول جائینگے ہم اپنے باپ کا

ہم سُن چکے ہیں راہ میں لوگوں سے یہ خبر　　بے دفن ہے ہر اول سلطان بحرو بر
جبتک نہ ہونگے ماتمی کپڑے لہو میں تر　　دم لینگے معرکے میں نہ ہم دونوں بے پدر
کیجے دعا کہ بیکس و تنہا سے جا ملیں
جی جائیں آج مر کے جو بابا سے جا ملیں

والدۂ حضرت قاسم اپنے نور عین کو اسطرح سمجھا رہی ہیں۔

ماں کی نہ فکر کچھ نہ دلہن کا کرو خیال　　نرغے میں ظالموں کے ہے خیر النسا کا لال
دلبر امام سبز قبا کے ہو نونہال　　تم جا کے خوں سے سرخ کرو عرصۂ قتال

تازہ جواں ہو شیر ہو عالی وقار ہو
صدقے گئی غریب چچا پر نثار ہو

ماں سے حسنؑ کے لخت جگر نے کہا یہ تب　　ہاں اماں جان زہر ہمیں زندگی ہے اب
شادی تھی گو یہ ہمنے گذاری ہے روکے شب　　پہلے نثار ہوگا چچا پر یہ تشنہ لب
دو دن سے ولولہ ہمیں جنگ و جدل کا ہے
اب دلکو شوق ہے تو عروس اجل کا ہے

کہتی تھی روکے زوجۂ عباسؑ نامدار　　صاحب خدا کیواسطے آقا سے ہوشیار
جب تیر آئیں فوج سے ہنگام کارزار　　مجروح ہونے پائے نہ زہرا کا یادگار
واجب ہے حفظ فاطمہ کے نور عین کا
کہتی ہیں تم کو جوشن بازو حسینؑ کا

فرماتے تھے یہ حضرت عباسؑ نیکنام　　ہے افتخار شہ کے جو کام آئے یہ غلام
جبتک ہے تن میں جان علمدار تشنہ کام　　کیا منہ جو کوئی تیغ اٹھائے سوئے امام
زخمی جو تن ہو سبط رسول مجید کا
دریا بہا دوں خون سپاہ یزید کا

تن پر سلاح سجتے تھے اکبر بہ زیب زین　　اور ماں یہ کہہ رہی تھی کہ اے میری نور عین
ہر چند تم سے روح کو راحت ہے دلکو چین　　اب آج چاہتی ہوں کہ ہو فدیۂ حسینؑ
آئے نہ آنچ نور نگاہ بتول پر
پروانہ رہیو شمع مزار رسول پر

کہتے تھے وہ کہ کچھ نہ تردد کریں جناب　　روشن رہے زمانے میں زہرا کا آفتاب

حضرت پہ دیکھیں ظلم یہ ہمکو کہاں ہی تاب　　صدقے کرینگے باپ پہ ہم دولتِ شباب
بڑھ بڑھکے نیزے اپنی کلیجے پہ کھائینگے
تیغوں سی برچھیوں سی پدر کو بچائینگے

یہ ذکر تھا کہ شاہ چلے کہ کے الفراق　　رخصت ہوئی جنہیں تھا شہادت کا اشتیاق
روئی حرم کہ درد جدائی ہی دل پہ شاق　　نکلا محل سی لختِ دل صاحب براق
چمکی ضیائی رُخ سی زمیں دور دور کی
اک غل ہوا کہ لاؤ سواری حضورؐ کی

جب زیب نور زیں ہوئی شاہ فلک سریر　　گھوڑوں پہ جلد جلد چڑھے سب جوان و پیر
باگیں اٹھیں بڑھے وہ جوانانِ بینظیر　　تاباں تھا اختروں میں علی کا مہ منیر
ضو تھی زمیں پہ حسن رسالت مآب کی
ذرّوں سی جھپکی جاتی تھی آنکھ آفتاب کی

سبقت ہوئی ادہر سی دغا ہیں کہ تیر آئے　　طائر سوئی خدیو سلیماں سر پر آئے
یوں آئی جیسے مور و ملخ کی بھیر آئے　　کس شور و شر سی شیر کے منہ پر شریر آئے
بولے رفیق دیکھ کے منہ اپنے شاہ کا
اب حکم کیا ہی قبلۂ عالم پناہ کا

بعد انکے اقربا ہوئی آمادۂ جدال　　تیغوں سی رن میں کٹ گئی مسلم کے نونہال
زینب کے لال بھی ہوئی دونوں لہو میں لال　　ٹکڑے ہوا جدال میں قاسم سا خوشخصال
جیتے نہ آئی مر کے سدھاری حسن کے پاس
پہنچے ردا میں لاش کے ٹکڑے دلہن کے پاس

تلوار رن میں بازوئے سرور سے پھر چلی　　پہنچا بھگا کے فوج کو دریا پہ وہ ولی
مشکیزہ بھر لیا پہ نہ سر سے قضا ٹلی　　پیاسا شہید ہوگیا لخت دلِ علی
لوٹا اجل نے شیر الٰہی کے باغ کو
بھائی کے دل سے پوچھیے بھائی کے داغ کو

اب کیا کہوں وہ بیکسی و غربت امام　　فرزند نوجواں سے بھی بچھڑے شہ انام
کھا کر سناں جہاں سے سدھارا وہ تشنہ کام　　لیکن ستم سے باز نہ آئی سپاہ شام
زخمی جگر لعینوں نے توڑا حسینؑ کا
بچہ بھی شیر خوار نہ چھوڑا حسینؑ کا

حضرت تعشق لکھنوی

میرزا عشق

کھینچ ای قلم مرقع صحرائے کربلا　　ہر ایک کی نگاہ میں پھر جائے کربلا
کھپ جائیں سب کی آنکھوں میں گلہائے کربلا　　لہرا رہا ہو سامنے دریائے کربلا
سُرخی کے بدلے ہوں لوح پر الیسے جڑی ہوئی
مقتل میں جسطرح سے ہوں لاشیں پڑی ہوئی

جب دشت کیں میں سو گئے رفیق حسینؑ کے　　تارے پڑے تھے خاک پہ باہم حسینؑ کے
دو جام خوں تھے دیدۂ پرنم حسینؑ کے　　پیاسے شہید ہو گئے ہمدم حسینؑ کے
حضرت کھڑے تھے ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے
خالی تھی بزم آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے

کیا کیا ہیں ان گلوں کے دل باغباں میں داغ　　پہلو میں زخم سینۂ شاہ زماں میں داغ
سوراخ ہیں جگر میں دل ناتواں میں داغ　　ایسے نہیں اٹھائے کسی نے جہاں میں داغ
اجڑی چمن کی سیر ہے رغبت کی آنکھ سے
حسرت ٹپک رہی ہے محبت کی آنکھ سے

ہے شامیوں میں شور کہ یا شاہ نامدار　　اب سیر کا مقام نہیں ہے یہ لالہ زار
فرماتے ہیں حسینؑ زمانہ ہے بے مدار　　دیکھا نہ کچھ خزاں کی نہ دیکھی اگر بہار

میرا چمن ہی خشک برومند باغ ہیں
کسکو دکھایئے جو کلیجے میں داغ ہیں
دم بھر تو دیکھ لوں کہ یہ برسوں کے ہیں حبیب انکی محبتوں کے ہیں افسانۂ عجیب
اب دیکھئے کب ان سے ملاقات ہو نصیب میں بھی تو بزم دہر سے اٹھتا ہوں عنقریب
رہنے کیواسطے نہ جواں ہی نہ پیر ہے
تم تنگدل نہ ہو کہ یہ صحبت اخیر ہے
اللہ دوپہر میں یہ سب ہوگئے تمام خالی پڑی ہیں انکی نشستوں کے سب مقام
ہیں داغ یادگار جوانانِ لالہ فام چپ ہو گیا ہی دل کہ نہیں کوئی خوش کلام
دنیا سے نوجواں یہ گل اندام اٹھ گئے
جو شمع بزم تھے وہ سر شام اٹھ گئے
سینہ میں جنکے داغ ہیں وہ مہ جبیں نہیں پہلو میں غیر یاس کوئی ہمنشیں نہیں
ہی گھر لٹا ہوا دل اندوہگیں نہیں وہ سب کے سب ہیں ایک جگہ پر ہمیں نہیں
غم سے یہ ایک دل نہیں تنہا اداس ہے
وہ لوگ اٹھ گئے ہیں کہ دنیا اداس ہے
باقی رہی نشان یہ وہ نام کر گئے کوثر پہ آبرو سے یہ تشنہ جگر گئے
ہی شکر کی جگہ بہت اچھی گذر گئے آخر فنا ہی کل نہ مری آج مر گئے
میری بھی زندگی کا زمانہ تمام ہے
پیری کی صبح ہی نہ جوانی کی شام ہے

معلوم ہی کیا علی اکبر نے انتقال قاسم رہی نہ زینب مضطر کے نونہال
عرصہ ہوا کہ مر گئے عباس خوشخصال تھی ظہر آفتاب پر آیا ہی جب زوال
پورا ہوا ہے عہد اب اسکا خیال کیا
جسنے دئے تھے لے لئے اسنے ملال کیا

گو یہ وہ لوگ تھے کہ جو انکے لئے بشر جو کچھ بنائے حال تعجب نہیں مگر
بھائی ہو بھانجا ہو بھتیجا ہو یا پسر میں کون تھے اسی کی امانت یہ سب گہر
تھوڑا بہت حزیں جو دل ناصبور ہے
اتنا ادائے حق محبت ضرور ہے

اسکے بعد شاعر کہتا ہے

مرجھا کے رہگیا چمن شاہ انس وجاں کچھ باغباں سی ہو نہ سکا آگئی خزاں
تاراج اسطرح سی کیا ہی یہ بوستاں تازہ رہیگی حشر کے دن تک یہ داستاں
ایسی کسی چمن کی غرض ابتری نہ ہو
پانی بھی اب ملے تو یہ کھیتی ہری نہ ہو

پاتے ہیں اہل شام جو دنداں شکن جواب یوں تیر ظلم فوج سی آتے ہیں بیحساب
صف باندھکر اڑی نہ کبھی اسطرح عقاب پرشور وتند یوں کبھی اٹھتے نہیں سحاب
آندھی بنی پروں کی ہوا ملکے گرد میں
گہ دھوپ گاہ چھاؤں تھی دشت نبرد میں

مانند برق رن میں کڑکتی ہی ہر کماں ناوک ہوای تند کے مانند ہیں رواں
سن سن کی سن رہی ہیں صدا اہل آسماں سینہ سپر کئے ہوئے ہیں شاہ انس وجاں

ہیں ہر کماں سے دیدۂ حق بیں لڑی ہوئے
تیروں کی راہ دیکھ رہی ہیں کھڑی ہوئے

اگلے نو بندوں میں جناب تعشق نے شدت گرما اور حضرت امام حسینؑ کی حالتِ تشنگی کو اسطرح نظم کیا ہے کہ ہم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہیں کہیں مبالغۂ شاعرانہ کی جھلک موجود ہے۔ مگر اس سے فطرت نگار شاعر کے دامنِ کمال پر کوئی بد نما دھبّہ نہیں آتا۔ مبالغہ اگر حدود اعتدال سے تجاوز نہ کرے تو گرمیٔ کلام میں ایک غیر فانی اثر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بند ملاحظہ ہوں

گرمی کا بیان

بالکل پڑے ہیں خشک کنوئیں تھے جہاں جہاں
کوسوں نہیں پرند بھلا آدمی کہاں
مارا ہے لوں نے جو کوئی نکلا ہے کارواں
شعلے کی ہے زمین دھوئیں کا ہے آسماں
ٹھنڈک کہیں نہیں ہے ہوا بیحواس ہے
دریا ہوئے ہیں خشک زمیں کو یہ پیاس ہے

کوسوں نہ کھیت ہیں نہ کہیں سبزہ ہے نہال
کھا کھا کے دھوپ کوہ میں پتھر ہوئے ہیں لال
چھپ چھپ کے بیٹھتے ہیں چراگاہ میں غزال
جھیلوں میں ہیں پڑے ہوئے طائر کشادہ بال
گرمی سے ہیں ترائی میں بھی دل بھرے ہوئے
بیٹھے ہیں شیر خاک پہ سینہ دھرے ہوئے

ہر بحر پر ہے آگ کے دریا کا اشتباہ
جنگل یہ جل رہا ہے کہ ہیں جانور تباہ
نہریں پڑی ہیں خشک ہیں ندیاں نہ چاہ
پانی چھپا ہے دھوپ کی شدت سے زیر کاہ
اب زندگی سے مردم آبی کو یاس ہے
موجوں کی اینٹھتی ہیں زبانیں یہ پیاس ہے

ہے دوپہر رکے ہوئے ہیں قافلے تمام
بستر وہاں بچھائے ہیں ٹھنڈے جو ہیں مقام
پانی کا انتہا سے زیادہ ہے اہتمام
سائے ہیں آب سرد کے رکھے ہوئے ہیں جام
چشموں پہ جا بجا ہیں مسافر پڑے ہوئے
شہ دشت کربلا میں ہیں پیاسے کھڑے ہوئے

خیمے پڑے ہیں اہل ستم کے کنار جو
منہ ہاتھ دھو رہے ہیں جو انانِ زشت خو
پر آب چھاگلیں ہیں لبالب اک سبو
ممکن نہیں حسینؑ کو پانی پئے وضو
چلیے برائے نذر خدا سر لئے ہوئے
اس فکر میں کھڑے ہیں تیمم کئے ہوئے

تر ہے عرق سے پیرہن شاہ بحر و بر
گرمی ہے کربلا کے بیابان میں اسقدر
سیماب جسکی آنچ سے ہو آگ کا جگر
جلتی ہے آفتاب کی صورت ہر اک سپر
گو قصر دل سے چشم تک آئی ہیں چھاؤں میں
لیکن پڑے ہیں آبلے انکے پاؤں میں

وہ دھوپ ہے بجا نہیں اہل زمیں کے ہوش
چرخ زبرجدی نظر آتا ہے شعلہ پوش
پانی ہے زیر خاک مگر کھا رہا ہے جوش
کہسار میں ہے گرم ہوا کا عجب خروش

رن میں تمام روز حرارت بڑی رہی
تا شام دھوپ نہر کے اندر پڑی رہی
وہ گرمیوں کی دھوپ وہ دو دنکی پیاس قہر | ہے تیغ آبدار نظر میں ہر ایک لہر
کہتی ہے خشکیٔ دہن بادشاہ دہر | کوئی لگا دے منہ سے اٹھا کر تمام نہر
ہر جزو تن یہ پیاس کی شدت سے گرم ہے
جنگل تمام دلکی حرارت سے گرم ہے
کیا ضعف سے رخ شہ ابرار زرد ہے | پرتو سے دھوپ صورت بیمار زرد ہے
ہر نخل مثل صاحب آزار زرد ہے | گرد و غبار وادیٔ پُرخار زرد ہے
صدقے ہے دل بہار و خزاں پر جہان کے
ٹپکا عرق کہ پھول جھڑے زعفران کے
یہ حال تھا ابھی کہ بڑھی شام کی سپاہ | گرجے مثال رعد نقیبان روسیاہ
بولا پکار کر عمر سعد کینہ خواہ | اب آپکو ہے ضعف کمال اے جہاں پناہ
عباس کے الم میں گئے ہاتھ کام سے
اب ذوالفقار کھنچ نہیں سکتی نیام سے
سنبھلے یہ سنکے قبلۂ عالم پئے جدال | بل کھا کے رخ سے ہٹ گئے خود گیسوؤنکے بال
زردی گئی ہوئے گل رخسار لال لال | دی ہٹ کی بیکسی نے صدا اے زہے جلال
قوت کی دبدبہ سے سر ضعف جھک گیا
الٹی جو آستین پسینہ بھی رک گیا
آتے ہی غیظ چہرے کی رنگت بدل گئی | زہرا کے آفتاب کی صورت بدل گئی

قوت سے ضعف قہر سے رحمت بدل گئی قبضہ کو دیکھتے ہی طبیعت بدل گئی
غصہ نے کی یہ شکل شہ خوشخصال کی
تصویر بنگئی اسد ذوالجلال کی

سمٹی ہے یوں نیام میں کہ ہر دریا فشار میں لپٹی ہوا صدا کیطرح کوہسار میں
یوں کربلا کی دھوپ ہے گرد و غبار میں ہو جسطرح کفن کی سفیدی مزار میں
گردوں کی بھی زمیں پہ یہ شکل اوس گھڑی ہوئی
جیسے لحد پہ سبز ردا ہو پڑی ہوئی

جسوقت ادہر سے ہو تو بڑھیں شاہ دیں پناہ کیا رعب ہے کہ شیر کا بیشہ ہے رزمگاہ
چلا رہی ہیں صورت روباہ روسیاہ چین جبین شاہ پہ جب پڑ گئی نگاہ
نکلا یہ سب کے مُنہ سے سخن اضطراب میں
لو پڑ گئی شکن ورق آفتاب میں

سراپائے حسینی میں یہ اشعار فرسودہ شاعری کے پامال چمنستان کے بہترین پھول ہیں۔

ہلنا جبیں پہ ابروئے سبط رسول کا
جُھکا رہا ہے شاخ کو بار ایک پھول کا

کچھ ریش سے تجلّی عارض گھٹی نہیں سایہ ڈھلا ہے دھوپ جگہ سے ہٹی نہیں

دانتوں کی تعریف میں

سیارے سب ہیں صورت ثابت رُکے ہوئے
ہونٹوں کو دیکھتے ہیں مسیحا جھکے ہوئے

ذوالفقار کی تعریف

ہر افسری اسی کی اسی کی سپاہ ہے فتح و ظفر کیواسطے امید گاہ ہے
اقبال دستگاہ جلالت پناہ ہے جسکی ہو تیغ پس ہو وہی بادشاہ ہے
کیونکر نہ بانکپن کی ہوں باتیں سپاہ سے
معشوق ذبح کرتے ہیں ترچھی نگاہ سے

رزمیہ

ڈنکے کا شور شورش دنیای دوں ہوا قرنا و کوس و بوق کا نالہ فزوں ہوا
صحرا طلسم بند ہوا کو جنوں ہوا پانی ہوئی زمین فلک نیلگوں ہوا
دل رعد کا خروش میں آیا تکان سے
ٹکرائی یوں دہل کی صدا آسمان سے
دم گھٹ گیا جو فوج کی حلقہ میں آگئی دب دب کی اسطرف سے ادہر کو ہوا گئی
باہم بڑھیں صفیں تو زمیں تھرتھرا گئی قبضے لڑے کہ دشت میں کوسوں صدا گئی
مانند برگ خشک نہ تھا چین مہر کو
جنبش تھی بیرقوں کی ہوا سے سپہر کو
سپریں اٹھیں چمن گل سوسن کے کھل گئی تیغیں کھنچیں خدنگ کمانوں سے ہل گئے
کڑکا ہوا کہ ہاتھ سے شیروں کے دل گئی باہم لڑے جو گرز تو کہسار ہل گئے
راہی ہوئے سوار نشاں کھولتے ہوئے
آگے نقیب فوج بڑھے بولتے ہوئے

بڑھکر کماں کشوں نے پرے سامنے جمائے پیدل گئے ادہر کو سوار اسطرف کو آئے
بادل ستم کے تیر برج شرف پہ چھائے آیا وہ شہ کو غیظ کہ بل گیسوؤں نے کھائے
اعدا بڑھے جو نول کے تیغیں مصاف کو
جھنجھلا کے ذوالفقار نے چھوڑا غلاف کو

بھاگا ادہر سے کوئی تو جا کر ادہر نہ تھا جسکی پلک جھپک گئی تار نظر نہ تھا
پہلو ذرا کسی نے جو بدلا جگر نہ تھا پیچھے ہٹا جو کوئی دبے پاؤں سر نہ تھا
نازک مزاجیاں وہ پری وش دکھا گئی
کاٹے گلے نفس کی جو آواز آ گئی

گھوڑے کی تعریف

ہے یوں سمند تیغ شہ نیکخو کے ساتھ بہتی ہے جسطرح سے ہوا آبجو کیساتھ
عاشق بھی یوں پھرے نہ کسی ماہرو کیساتھ کیونکر نہ سربلند ہو با آبرو کیساتھ
یہ ابر ہے وہ برق یہ قوت وہ ہاتھ ہے
یہ سانس چھوٹتا ہے کہیں دم کے ساتھ ہے

اٹھتا تھا اسطرح قدم اسکا زمین سے جیسے ابل پڑے کوئی دریا زمین سے
تھا آسمان اسکو غرض کیا زمین سے سایہ بھی دوڑنے میں جدا تھا زمین سے
بھرتا ہوا غضب کے طرارے روانہ تھا
جادہ کا پیچ و تاب اسے تازیانہ تھا

ہوتے تھے شہ پہ تیغوں کے وار ایک سمت سے آتے تھے تیر ظلم ہزار ایک سمت سے
نیزے لگا رہے تھے سوار ایک سمت سے بڑھتی تھی پیدلوں کی قطار ایک سمت سے

چھائی تھی ابر ظلم شہ خوشخصال پر
پتھر برس رہے تھے محمدؐ کے لال پر
ناگاہ ہوا زوال ڈھلی رن میں دوپہر
لکھا ہے سب بہشت کے مرجھا گئے شجر
نہروں میں جائے آب لہو آگیا نظر
تسبیح خواں طیور تھے طوبا پہ جسقدر
وہ زمزمے سبھوں کو فراموش ہوگئے
منہ بازوؤں میں ڈال کے خاموش ہوگئے

تمام شد